فسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون (القرآن)
اور تم پوچھ لو جاننے والوں سے اگر تم نہیں جانتے۔
اُلجھنیں
ازافادات
پروفیسر حافظ عبدالرزاق
(ایم اے عربی۔ اسلامیات)
ادارہ نقشبندیہ اویسیہ
دارالعرفان ۰ منارہ ۰ ضلع چکوال

فسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون (القرآن)
اور تم پوچھ لو جاننے والوں سے اگر تم نہیں جانتے۔
اُلجھنیں
از افادات
پروفیسر حافظ عبدالرزاق
(ایم اے عربی۔ اسلامیات)
ادارہ نقشبندیہ اویسیہ
دارالعرفان ۰ منارہ ۰ ضلع چکوال

فہرست

☆ ☆ ☆ ☆

سوال نمبر1 کیا اسلام میں تصوف کی گنجائش ہے؟

الجواب : اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے سب سے پہلے ضرورت اس امر کی ہے کہ تصوف کی حقیقت معلوم کی جائے۔ جب اسلام سے تصوف کا تعلق زیر بحث آ رہا ہے تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام کیا ہے؟ اسلام ایک دین کا نام ہے اور دین بھی وہ جو خالق کائنات کا پسندیدہ دین ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے . اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ترجمہ : بے شک اللہ کے ہاں دین اسلام ہی ہے۔ اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے اور دین نام ہے ضابطہ حیات کا۔ اور حیات کے دو پہلو ہیں۔ نظریہ اور عمل یا یوں کہئے تھیوری اور پریکٹیکل۔

سوال یہ ہے کہ یہ ضابطہ حیات اللہ کریم نے اپنے بندوں تک کیسے پہنچایا؟ جواب یہ ہے کہ اپنے بندوں کے ذریعے بندوں تک پہنچایا مگر وہ بندے ایسے برگزیدہ اور منتخب بندے تھے جن کو رسول کے نام سے پکارا جاتا ہے یہ ان کا اصطلاحی نام ہے۔ ان کو نبی بھی کہتے ہیں۔ اللہ کا دین اللہ کے بندوں تک پہنچانے کا منصب نبوت یا رسالت کہلاتا ہے۔ اس منصب کے تقاضے پورا کرنے کے لئے جو نصاب مقرر ہوا ہے اس کا نام فرائض نبوت ہے۔

قرآن کریم نے فرائض نبوت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔
لَقَدْ مَنَّ اللّٰهَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْبَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (144:3)

ترجمہ : یقیناً اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر احسان کیا کہ ان میں اپنا رسول ﷺ بھیجا جو ان ہی میں سے تھا۔ وہ لوگوں کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا۔ انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا۔ اور ان کا تزکیہ نفس کرتا ہے۔ بے شک تو غالب حکمت والا ہے۔

اس آیت میں فرائض نبوت ایک فطری ترتیب سے بیان ہوئے ہیں۔ پہلا فرض تلاوت آیات دوسرا تزکیہ۔ تیسرا تعلیم کتاب اور چوتھا تعلیم حکمت۔

اس ترتیب میں ایک اہم اور دقیق نکتہ پایا جاتا ہے وہ یہ کہ حضرت ابراہیمؑ نے ایک دعا کی تھی جس کا ذکر (129:2) میں یوں آتا ہے۔

رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (129:2)

حضرت ابراہیمؑ نے رسول کے فرائض کی ترتیب یہ لکھی کہ پہلا فرض تلاوت آیات دوسرا تعلیم کتاب تیسرا تعلیم حکمت اور چوتھا تزکیہ۔ مگر آخر میں یہ بھی کہہ دیا کہ تو حکیم ہے۔ تو اللہ کریم نے اپنی حکمت کا اظہار یوں فرمایا کہ فرائض نبوت کی ترتیب میں اصلاح فرما دی اور تزکیہ کو تعلیم کتاب سے پہلے رکھ دیا گویا یہ حکمت بتا دی کہ تزکیہ کے بغیر تعلیم کتاب و حکمت کا ماحاصل دین اور ہدایت نہیں ہو گی اور سب کچھ ہو سکتا ہے۔ اس کا ثبوت ایک کھلی کتاب کی طرح ہمارے سامنے موجود ہے کتنے مستشرقین ہیں جنہوں نے قرآن و حدیث کی تفسیر و شرح میں کمال کر دیا مگر نہ دین نصیب ہوا نہ ہدایت کیونکہ الٰہی ترتیب کو پس پشت ڈالا اور تزکیہ کے بغیر ادبی' علمی اور فلسفیانہ موشگافیوں میں عمریں صرف کر دیں۔ پیڑدی ویزیبل' سیل' اڈویل' پامسر' نولڈیکے' پکتھال اور رچڑڈ بیل وغیرہ کے عملی کام سے کون انکار کر سکتا ہے۔

نبی کی ذات وہ جامع کمالات ذات تھی جس میں یہ سارے فرائض پورے کرنے کی پوری پوری صلاحیت تھی اور ایسا ہونا چاہئے مگر بعد میں ان فرائض کی ادائیگی کا اہتمام اللہ کریم نے یوں کیا۔ کہ امت میں سے جس اہل علم و دانش میں جس خاص فن کی صلاحیت رکھی اسے اس خاص شعبہ دین کی خدمت میں لگا دیا۔ جب ہر ماہر فن نے اپنے فن کے ناطے سے دین کی علمی یا عملی خدمت کی اس فن کے لئے خاص اصطلاحی نام وضع کیا گیا۔ چنانچہ پہلے فریضہ تلاوت آیات کو تجوید اور قرات کا نام دیا گیا۔ تعلیم کتاب و حکمت کے تین شعبے بن گئے اور ہر شعبہ کا ایک اصطلاحی نام اس کی شناخت بن گیا۔ قرآن کریم کی تفہیم کا فن تفسیر لکھ دیا۔ قرآن کریم کی نبوی تفسیر کے فن کی خدمت کو حدیث اور ان

دونوں کی روشنی میں نئے نئے مسائل کے حل تلاش کرنے کے فن کو فقہ کا نام دیا گیا۔ اور تزکیہ کے فن کا نام تصوف رکھا۔ اور ان فنون کے ماہرین مفسر، محدث، فقیہ اور صوفی کہلائے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام میں تصوف کی گنجائش ڈھونڈنے والے بیچارے نہ اسلام کی حقیقت سے واقف ہیں نہ تصوف کی حقیقت سے۔ کیونکہ تصوف تو دین کا وہ اہم شعبہ ہے کہ تلاوت آیات یعنی تھیوری کے بعد متصل تزکیہ کا ذکر ہے یعنی تصوف ہی تو عملی زندگی کی ابتدا ہے۔

یوں تو فرائض نبوت کی ترتیب ہی سے تزکیہ کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے مگر قرآن کریم نے تو اس کی اہمیت ایک اور پہلو سے اس انداز سے بیان کی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر تزکیہ نہیں تو کچھ بھی نہیں فرمایا، قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی۔ یعنی فلاح کا دارومدار ہی تزکیہ پر ہے۔ کوئی کتنا بڑا عالم ہو، مفکر ہو، فلاسفر ہو کچھ ہو اگر تزکیہ نہیں تو وہ کچھ بھی نہیں۔

قرآن کریم جس شعبہ دین کو تزکیہ کہتا ہے حدیث میں اس کا نام احسان ہے ارشاد ہے۔ کہ ایک روز اجنبی سائل نبی رحمت ﷺ کی خدمت میں آیا۔ صحابہ پاس بیٹھے تھے اس نے حضور ﷺ کے گھٹنوں سے گھٹنے ملائے ادب سے بیٹھا اور پوچھا۔

1- ایمان کیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر، فرشتوں پر، اللہ کے رسولوں پر، اللہ کی کتابوں پر اور آخرت پر دل سے یقین رکھے۔

2- اسلام کیا ہے؟ فرمایا اقرار شہادتین، نماز، روزہ، حج اور زکوۃ ادا کرے۔

3- احسان کیا ہے؟ فرمایا تو اللہ کی عبادت یوں کرے جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے۔

آگے لمبی حدیث ہے۔ جب وہ چلا گیا تو صحابہ نے پوچھا یہ کون تھا؟ فرمایا یہ جبرئیل تھا تمہیں دین سکھانے آیا تھا۔

حضورﷺ کے اس جواب سے ظاہر ہے کہ دین کے تین شعبے ہیں۔ ایمان' اسلام اور احسان۔ یعنی عقائد عبادات اور تزکیہ۔ جس کو حدیث میں احسان کے لفظ سے بیان کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ تزکیہ یا احسان دین اسلام کا ایک تہائی حصہ ہے اور یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ تزکیہ کے شعبہ نے جب مستقل فن کی صورت اختیار کی تو اس کا اصطلاحی نام تصوف ہوا۔ جیسے تفسیر حدیث اور فقہ کے شعبوں میں ہوا۔ اب اگر کوئی بزر جمہر یہ کہہ دے کہ اسلام میں تفسیر حدیث فقہ کی کیا کوئی گنجائش ہے تو کوئی اسے کیسے سمجھائے کیونکہ سوئے ہوئے کو تو جگایا جا سکتا ہے جاگتے کو کون جگائے۔

دنیا بھر میں ایک اصول ایک حقیقت کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ فن کی بات ماہرین فن سے پوچھو۔ جو وہ بتائے اس پر اعتماد کرو۔ اس عالمگیر اصول کے ماتحت ہم ماہرین فن تصوف سے اس کی حقیقت پوچھتے ہیں۔ اہل فن کے نزدیک تصوف کی تعریف یہ ہے۔

هُوَ عِلْمٌ تُعْرَفُ بِهٖ اَحْوَالُ تَزْكِيَةِ النُّفُوْسِ وَ تَصْفِيَةِ الْاَخْلَاقِ وَ تَعْمِيْرِ الْبَاطِنِ وَ الظَّاهِرِ لِنَيْلِ السَّعَادَةِ الْاَبَدِيَّةِ

ترجمہ: یہ وہ علم ہے جس سے تزکیہ نفس کے احوال' اخلاق کی صفائی' ظاہر و باطن کی صفائی کی پہچان ہوتی ہے تاکہ ابدی سعادت حاصل کی جائے۔

اور تصوف کا ماحصل کیا ہے؟

وَ يُحْصَلُ بِهٖ اِصْلَاحَ النَّفْسِ وَ الْمَعْرِفَةِ وَرِضَاءَ الرَّبِّ

ترجمہ: اور اس سے نفس کی اصلاح اور اللہ کی معرفت اور رضا حاصل ہوتی ہے۔

اور تصوف کا موضوع کیا ہے؟

وَ مَوْضُوْعُهُ التَّزْكِيَةُ وَالتَّصْفِيَةُ وَ التَّعْمِيْرُ الْمَذْكُوْرَاتِ وَ غَايَتُهُ نَيْلُ السَّعَادَةِ الْاَبَدِيَّةِ

ترجمہ: اس کا موضوع تزکیہ' صفائی اور تعمیر باطن ہے اور ہمیشہ کی

سعادت کا حصول ہے۔

اب دیکھئے کہ تصوف کی اسلام میں گنجائش ہے یا تصوف اسلام کی روح ہے۔ اسلام کے قبول کرتے ہی عملی زندگی میں اسلام کو اپنانے کی ابتدا بھی تصوف ہے اور انتہا بھی تصوف ہے۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کیا اسی ترتیب سے فرائض نبوت ادا کئے۔ سوال واقعی نہایت اہم ہے۔ مگر جواب بھی بڑا واضح ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلا فرض ہے یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ آیَاتِهٖ تو اس فرض کی ادائیگی کی صورت یہ تھی کہ جو کوئی آیت یا سورۃ نازل ہوتی نبی رحمت ﷺ صحابہ کو سناتے اور کاتبان وحی صحابہ اسے تحریر میں لا کر محفوظ کر لیتے۔

دوسرا فرض تزکیہ تھا تو نبی رحمت ﷺ اس ترتیب کو لازماً ملحوظ رکھتے وہ یوں کہ جب کسی "آدمی" کو اللہ کی آیات پہنچائیں اور اسلام کی دعوت دی اور اس آدمی نے اللہ کی آیات پر ایمان لانے کا اقرار کیا۔ تو وہ آدمی اسی وقت انسان بن گیا۔ انسان کا مادہ انس ہے اس کا ایمان لانا اس بات کا ثبوت ہے کہ اسے اپنے خالق سے انس ہو گیا اور اس محسن انسانیت سے انس ہو گیا جس نے خالق سے آشنا کیا۔ لہٰذا وہ انسان بن گیا۔ آدمی اور انسان میں جو فرق ہے مولانا روم نے ایک شعر میں خوب واضح کر دیا ہے فرماتے ہیں

گر بصورت آدمی انساں بدے　　احمد و بوجہل خود یکساں بدے

(اگر صورت سے ہی انسان انسان ہوتا ہے تو پھر احمد ﷺ اور ابوجہل یکساں ہوتے)

جونہی وہ انسان بنا نبی رحمت ﷺ کی ایک نگاہ اس پر پڑی وہ انسان کامل بن گیا۔ جس کا اصطلاحی نام صحابی ہے یعنی وہ صحابی بن گیا صحابی دراصل انسان کامل کا اصطلاحی نام ہے اور انسان کامل سے مراد وہ انسان ہے جس کا تزکیہ اس درجے کا ہوا کہ اس سے اوپر تزکیہ کا درجہ صرف نبی کا حصہ ہے غیر نبی کے لئے

تزکیہ کا آخری درجہ وہ ہے جو صحابی کو حاصل ہو گیا۔ صحابی بن گیا کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے دل میں اللہ و رسول کی محبت گھر کر گئی۔ اور سچ پوچھئے تو اسلام محبت ہی کا اصطلاحی نام ہے سچ کہا اقبال نے ۔

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں تبکدۂ تصورات

ایک مادہ پرست اور ظاہر بین کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آن کی آن میں ایک نگاہ پڑتے ہی تزکیہ کیسے ہو گیا؟ اتنا بڑا انقلاب کیونکر آ گیا؟

بات آسان سی ہے کہ جو آدمی کسی فن سے واقف نہ ہو اس کے لئے اس فن کی مبادیات بھی ایک عجوبہ ہوتی ہیں اور اگر وہ نادان کے علاوہ احمق بھی ہو تو فوراً" انکار کر دیتا ہے۔ اس سوال میں کچھ اسی قسم کی صورت نظر آتی ہے۔ لیکن اس کا جواب مادیات کی دنیا میں ہی موجود ہے۔ سائنس کے شعبہ فزکس میں ایک باب ہے جس کا عنوان ہے Magnatism اس میں بتایا گیا ہے کہ لوہے کے ایک ٹکڑے میں برقی رو گزاریئے ایک سیکنڈ میں مقناطیس بن جائے گا یعنی اس کے باطن کے ذرات میں وہ قوت پیدا ہو جائے گی اپنے ہمجنس لوہے کو اپنی طرف جذب کرے گا دیکھ لیجئے فزکس سے معمولی واقفیت رکھنے والا آدمی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا۔ بالکل اسی طرح رحمتہ للعالمین کے آفتاب کی ایک شعاع جب اس آدمی پر پڑی جو ایمان لا کر انسان بن چکا تھا تو یہ برقی رو اس کے نہاں خانہ دل تک اتر گئی اور دل کی دنیا کو بدل کے رکھ دیا دل بدلا تو سارے اعضا کا عمل بدلا سب کا رخ وہ ہو گیا جو دل کا قبلہ تھا۔ اور ایسا بدلا کو اس انسان کامل میں مقناطیسیت پیدا ہو گئی اور وہ اس قابل ہو گیا کہ اپنے ہم جنس انسانوں کو اپنے رب اور محبوب رب کے قدموں میں کھینچ لایا۔

یہاں پھر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ نرا دعویٰ ہے یا اس کی کوئی دلیل بھی ہے جواب یہ ہے کہ دلیل ہے اور ایسی کہ اس کا رد کرنا انسان کے بس کی بات نہیں ہاں "آدمی" نہ مانے تو اور بات ہے۔

دلیل نمبر1- نگاہ مصطفویؐ سے ہر انسان کامل نے اتنا کچھ لیا جتنا اس کا ظرف تھا۔ اور ظرف اللہ کریم نے بنائے ہیں۔ اس لئے انسان کامل تو سارے بن گئے البتہ ظروف کے اختلاف کی وجہ سے ان کے مدارج مختلف ہوئے مثلاً"

(الف) کچھ ایسے صحابی تھے جنہیں اس زندگی میں جنت کی بشارت مل گئی جنہیں عشرہ مبشرہ کہتے ہیں۔ اس بشارت کے بعد مدت تک وہ زندہ رہے اور جنت کا فیصلہ تو وزن اعمال کے بعد ہونا ہے ان کا پہلے ہی ہو گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ علام الغیوب کے علم میں یہ بات تھی کہ ان لوگوں کا تزکیہ اس درجے کا ہو گیا ہے کہ وہ کوئی ایسا کام زندگی بھر کر ہی نہیں پائیں گے جو تزکیہ کے منافی ہو۔

(ب) کچھ وہ لوگ تھے جنہیں اللہ کے رسول نے اپنے رب کی طرف سے یہ اعلان سنایا تھا کہ اِفْعَلُوْا مَاشِئْتُمْ۔ یعنی اب تم جو چاہو کرو۔ اس کی کھلی اجازت کا مطلب ہی یہ تھا کہ علام الغیوب کو علم تھا کہ ان کا تزکیہ اس درجے کا ہے کہ یہ لوگ لازماً" وہی چاہیں گے جو مجھے پسند ہے۔

دلیل نمبر2- انسان کی سب سے بڑی سعادت اور کامیابی یہ ہے کہ اسے اللہ کی رضا حاصل ہو جائے جیسا کہ قرآن کریم بتاتا ہے کہ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ۔ یعنی اللہ کی رضا سب سے بڑی چیز ہے۔ اللہ کریم نے اپنی رضا کو تین گروہوں کے ساتھ مختص کر دیا ہے ان کے بغیر قیامت تک آنے والے کسی انسان کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ ارشاد ہے وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ

ترجمہ: اور وہ لوگ جو مہاجرین اور انصار میں سے اولیں سبقت لینے والے تھے اور وہ جنہوں نے ان کی احسن طریقے سے اتباع کی۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے۔

پہلے دو گروہ تو ان لوگوں میں سے ہیں جن کو نگاہ مصطفوی نے انسان کامل بنایا مگر تیسرا گروہ وہ ہے جو قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں پر پھیلایا

ہوا ہے۔ ان میں سے اللہ کی رضا کے مستحق صرف وہ ہوں گے جو پہلے دو گروہ یعنی صحابہ کے نقش قدم پر چلیں گے۔ یہ اتباع بھی ایک شرط کے ساتھ مشروط ہے وہ یہ کہ اتباع صرف ضابطے کی کارروائی نہ ہو بلکہ دل کی گہرائیوں سے سچی محبت اور عقیدت کے ساتھ صحابہؓ کا اتباع ہو گا تو رضا حاصل ہو گی ورنہ نہیں۔

لیجئے نگاہ مصطفوی سے جو تزکیہ ہوا اس کی شہادت خود رب العالمین نے دے دی اس کے بعد کسی شہادت کی ضرورت رہ جاتی ہے کیا؟

تیسرا اور چوتھا فرض۔ تعلیم کتاب و حکمت۔ اس میں وہی الٰہی ترتیب مدنظر رکھی گئی یعنی جن آدمیوں کا تزکیہ ہوا انسان کامل بن گئے صحابی کہلائے ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دی گئی اور مسجد نبویؐ سکول کالج اور یونیورسٹی کا کام دینے لگی۔ فرائض نبوت کی بجا آوری سے جو انسان تیار ہوئے وہ اپنی اپنی فطری صلاحیت کے مطابق کوئی مزکی بنے کوئی مفسر بنے کوئی محدث بنے اور کوئی فقیہہ۔ علمی طور پر تو تفسیر حدیث فقہ کے فن میں کمال حاصل کیا مگر عملی طور پر سب اپنے اپنے دائرۂ عمل میں مزکی تھے۔

ابن خلدون نے اسی حقیقت کو اپنے انداز میں یوں بیان کیا ہے :-

"اسلام کی پہلی تین پشتوں میں تصوف اتنی عام تھی کہ اسے کسی خاص نام کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن جب دنیا پرستی عام ہو گئی اور لوگ دنیوی زندگی کے بندھنوں میں بری طرح پھنس گئے تو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے وقف کر دینے والوں کو صوفیاء کا لقب دیا گیا تاکہ دوسروں سے ممیز ہو سکیں۔"

(مقدمہ ابن خلدون باب نمبر 11)

لفظ "عبادت" سے دھوکا کھایا بھی جاتا ہے اور دھوکا دیا بھی جاتا ہے۔ قرآن کریم نے عبادت کا مفہوم واضح کر دیا ہے ارشاد ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ یعنی میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا

کہ وہ میری عبادت کریں۔ تو کیا عبادت سے مراد وہ ہے جو جہالت اور حماقت کی ترکیب سے وجود میں آیا ہے بلکہ عبادت سے۔مراد پوری زندگی انفرادی اجتماعی' گھریلو معاشرتی اور سیاسی ہر شعبہ زندگی میں اللہ کریم کی ہدایات پر عمل کرنے کا نام عبادت ہے۔

اسی طرح سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مایہ ناز کتاب کشف المحجوب باب نمبر3 میں لکھا ہے۔

"صحابہؓ و تابعینؒ کے عہد میں تصوف کا نام نہ تھا لیکن اس کی حقیقت ہر شخص میں موجود تھی۔ آج نام موجود ہے لیکن حقیقت مفقود ہے۔"

اب یہاں آکر ایک سوال ابھرتا ہے کہ جب فرائض نبوت ادا کرنا نبی کے ذمے ہے اور نبوت ختم ہو چکی ہے تو اب یہ فرائض ادا کرنا کس کی ڈیوٹی ہے۔ اور کیا ان فرائض کے ادا کرنے کی ضرورت بھی باقی ہے یا نہیں تو اس سلسلے میں اول تو قرآن کریم خود رہنمائی کرتا ہے کہ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ یعنی آخری نبی کے جو فرائض تھے وہ اب اس آخری امت کے فرائض ہیں اور وہ ہیں ایمان باللہ۔ امربالمعروف اور نہی عن المنکر۔

پھر نبی رحمت ﷺ نے حجتہ الوداع کے خطبہ میں اعلان فرما دیا تھا۔ کہ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ ترجمہ : پس جو یہاں موجود ہیں وہ ان تک پہنچا دیں جو موجود نہیں۔ یعنی جو موجود ہیں ان کا فرض ہے کہ اللہ کا دین ان تک پہنچائیں جو موجود نہیں ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ و رسول ﷺ نے امت کی جو ڈیوٹی لگائی تھی امت نے فرض منصبی ادا کرنے کی کوئی تدبیر کی؟ آپ کہیں گے کیوں نہیں۔ مسلمان جہاں گئے قرآن کی تدریس کے لئے مدرسے کھل گئے حافظ اور قاری تیار ہونے لگے۔اور اب تک ہو رہے ہیں۔ فرائض نبوت میں سے پہلے فرض کی ادائیگی کا یہ عالم ہے کہ آج مسلمانوں کے گھروں میں مرد عورت بچے

بوڑھے حافظ اور قاری ملیں گے یہ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ کی صدائے بازگشت ہی تو ہے پھر ہر شہر اور قصبے میں دارالعلوم کھلے ہیں جہاں تفسیر حدیث اور فقہ کی تعلیم دی جاتی ہے اور جا بہ جا مفسر محدث اور فقیہہ تیار ہو رہے ہیں۔ ہاں یہ سب درست مگر وہ دوسرا اہم فریضہ تزکیہ ہے اس کا ذکر آپ نے بالکل نہیں کیا۔ کیا دین کا یہ شعبہ اب دین سے خارج ہو گیا ہے؟ اگر نہیں تو تزکیہ کے لئے کوئی مدرسہ کوئی دارالعلوم کوئی تربیت کیوں قائم نہیں کی گئی۔ اس سے تو معلوم ہوا کہ چودہ صدیوں میں ادھورا ناقص اور نامکمل دین ہی سیکھا اور سکھایا جاتا رہا۔ تزکیہ کا پورا شعبہ ہی غائب ہو گیا جبھی تو آج پندھوریں صدی میں مسلمان یہ سوال کر رہا ہے کہ کیا اسلام میں تزکیہ کی بھی گنجائش ہے۔ البتہ دانشورانہ تکنیک سے کام لے کر تزکیہ کی جگہ تصوف کا لفظ رکھ دیا ہے۔ مگر حقیقت تو اپنی جگہ قائم ہے۔

تاریخ کسی کا لحاظ نہیں کرتی آؤ اس سے پوچھیں۔ سب سے پہلے اپنے گھر کی خبر لیں۔ ذرا دیکھیئے مغلیہ سلطنت میں جہانگیر کے دور میں بے دینی اور بدعات کا جو سیلاب آیا تھا اس کے سامنے کون سا حافظ' قاری' مفسر، محدث یا فقیہہ ہمالیہ بن کے کھڑا ہوا تھا۔ کوئی نہیں۔ وہ تو ایک ایسا شخص تھا جو شعبہ تصوف میں امام اور مجتہد سمجھا جاتا ہے وہ تھا شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ۔ اعلیٰ پائے کا صوفی اور صوفی گر۔ اسی نے وقت کے مطلق العنان بادشاہ کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر بات کی اور بات منوا کے رہا۔ چلئے تصوف کے نمائندوں کے چند اور نام بھی تاریخ سے مانگ لیتے ہیں۔

1- شیخ اسمٰعیل لاہوری رحمۃ اللہ علیہ 1005ء میں لاہور آئے ان کے ہاتھ پر ہر روز سینکڑوں کافر مسلمان ہوئے۔
2- سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ 1072ء لاہور آئے اسلام پھیلایا۔ کشف المحجوب ان کی عظیم تصنیف ہے۔
3- معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ 541ھ میں دہلی میں آئے ہندوستان میں

اسلام پھیلایا۔ دہلی سے اجمیر جاتے ہوئے راستے میں 700 ہندو مسلمان ہوئے۔

4- بو علی قلندر ؒ نے 1324ء میں پانی پت کے راجپوتوں کو مسلمان کیا۔

5- خواجہ بہاء الدین زکریا ؒ 1182ء میں آئے ملتان کے علاقہ میں اسلام پھیلایا۔

6- بابا فرید نے پاکپتن 16 قوموں کو مسلمان کیا۔

7- سید جلال بخاری ؒ 642ھ میں اوچ آئے راجپوتوں کے کئی قبیلے مسلمان کئے۔

8- شیخ جمال الدین ؒ بخارا کے تھے۔ کاشغر کا پہلا مسلمان بادشاہ تیمور خان 1363ء میں ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔

9- سید جلال الدین تبریزی ؒ نے 1244ء بنگال میں اسلام پھیلایا۔

10- سید یوسف الدین ؒ 1422ء میں سندھ میں آئے دس برس میں 700، خاندان مسلمان ہوئے۔

یہ مشتے نمونہ از خروارے ہے۔ شوق ہو تو ٹامس آرنلڈ کی Preaching of Islam پڑھئے یا چشمہ کوثر کا مطالعہ کیجئے۔

ہاں تصوف کے بارے میں ایک المیہ کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ قاعدہ ہے کہ کوئی چیز جتنی زیادہ قیمتی ہو نقالوں اور جعل سازوں کی نگاہ اس پر اٹک کر رہ جاتی ہے۔ تصوف کے ساتھ یہی سانحہ پیش آیا جس کا اجمالی سا خاکہ یہ ہے۔

چوتھی صدی ہجری میں اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات در آئے اس کی وجہ یہ تھی کہ اسی زمانے میں اسماعیلیہ تحریک پورے جوبن میں آئی۔ اسماعیلیوں کے نام مسلمانوں جیسے تھے انہوں نے تصوف کا لباس زیب تن کیا اور اسلامی تصوف کے چشمہ صافی کو مکدر کیا۔ گو یہ سلسلہ دوسری صدی میں شروع

ہو چکا تھا۔ اس تحریک کو یوں درجہ بدرجہ آگے بڑھایا گیا۔

1- پہلا شخص المقنع خراسانی 164ھ ہے یہ الوہیت کا مدعی تھا۔

2- بابک خرمی 271ھ میں خروج کیا 20 سال تک ایران میں قیامت برپا کئے رکھی یہ بھی الوہیت کا مدعی تھا۔

3- عبداللہ بن میمون القداح 261ھ اس نے اس تحریک کو کامل طور پر سیاسی رنگ دیا۔ حسن بن صباح نے اسے پروان چڑھایا۔

4- حمران قرمط' یہ اس تحریک کا پرجوش قائد تھا۔ اب یہ تحریک قرملی تحریک بن گئی اس تحریک نے 278ھ سے 381ھ تک دنیائے اسلام میں تباہی مچائے رکھی قرامطہ نے تصوف کا جامہ اوڑھ کر اسلامی تصوف کو مکدر کیا۔

اس کے علاوہ کئی شعبدہ باز مسلمان جو حقیقی تصوف سے آشنا نہیں تھے اپنے آپ کو تصوف کا سکہ بند نمائندہ ظاہر کر کے تصوف کو بدنام کرتے رہے۔ اور کم ظرف نقادوں نے اسے ایسے لوگوں کے حالات دیکھ کر اس کا اطلاق اسلامی تصوف پر کرنا شروع کر دیا اور دین کے اس اہم ترین شعبے کو بدنام کرتے آئے۔ آخر اس شعبے کا سرے سے انکار ہی کر دیا۔

عقل عامہ کی بات ہے کہ ملک کی کرنسی لین دین کا واحد ذریعہ ہے۔ جعل ساز لوگ جعلی کرنسی بنا کر چلا دیتے ہیں کیا اس وجہ سے کرنسی کی ضرورت اور اہمیت کا انکار کر دیا جائے گا۔

اس قسم کی نقب زنی تو دین کے ہر شعبے میں ہوتی رہی مثلاً"۔

(1) اس آسمان کے نیچے ایک مخلوق ایسی بستی ہے جس کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ یہ قرآن جو مسلمانوں کے پاس ہے وہ نہیں جو محمد ﷺ پر نازل ہوا تھا یہ جعلی ہے اصل قرآن 18 ہزار آیت کا تھا اور یہ 6236 آیت کا ہے اور لطف یہ کہ وہ مخلوق اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہے۔ کیا اس وجہ سے اب یہ سوال کیا جائے کہ کیا اسلام میں قرآن کی بھی گنجائش ہے۔ یہ کچھ تو قرآن کے متن کے

ساتھ ہوا۔ قرآن کی تفسیر کے ساتھ جو کچھ ہوا اسے دیکھ کر ایک صاحب دل نے کہا تھا کہ کوئی مجھ سے پوچھے کہ دنیا میں سب سے زیادہ مظلوم کون ہے تو میں کہوں گا قرآن۔ اس کی صداقت دیکھنی ہو تو سرسید کی تفسیر قرآن دیکھ لیجئے یوں لگتا ہے سید صاحب ڈارون کے کسی مقالے کی تشریح کر رہے ہیں یا پھر پرویز صاحب کی تفسیر دیکھ لیجئے آپ کو کارل مارکس اور ماؤزے تنگ کے ورکس معلوم ہوں گے۔ یہ دیکھ کر کیا یہ سوال اٹھے گا کہ کیا اسلام میں تفسیر کی گنجائش ہے اسی طرح حدیث کو دیکھ لیجئے۔ بے دینوں نے اپنی طرف سے حدیثیں گھڑ گھڑ کے ذخیرہ احادیث میں شامل کرنے کا شغل اپنائے رکھا ایک شیعہ عالم ابن ابی الحدید نے تو صاف طور پر اعتراف کیا کہ ہزاروں حدیثیں وضع کر کے شامل کر دیں۔ اس کے ردعمل کے طور پر آسان طریقہ تو یہ ہے کہ حدیث کا ہی سرے سے انکار کر دیا جائے اور یہ سوال کر دیا جائے کیا اسلام میں حدیث کی بھی گنجائش ہے مگر اہل علم حدیث کی اہمیت سے بخوبی واقف تھے کیونکہ وہ نبوت کی اہمیت جانتے تھے اور نبی کے اس فرض سے بھی واقف تھے کہ لتبین للناس ما نزل الیھم کہ نبی کا فرض ہے کہ جو کتاب اس پر نازل کی اس کے مفہوم کو کھول کھول کر بیان کرے اس لئے محدثین کرام نے اس شعبے میں ژرف نگاہی کا ریکارڈ قائم کر دیا۔ چنانچہ حدیث کی پہچان اور فہم حدیث کے لئے 38 اصطلاحات کا جاننا ضروری ہے مثلاً" مرفوع، موقوف، مقطوع، معلق، مرسل شاذ موضوع وغیرہ۔

حدیث وضع کرنے والے چوروں کی خانہ تلاشی کے لئے یہاں تک کوشش کی گئی کہ موضوع احادیث کے متعلق مستقل کتابیں لکھی گئیں مثلاً"

(1) کتاب الموضوعات۔ عبدالرحمٰن ابن جوزی 595ھ

(2) کتاب الموضوعات۔ حسن بن محمد الصانی 650ھ

(3) المقاصد الحسنہ۔ عبدالرحمٰن السخاوی 902ھ

(4) اللآلی المصنوعہ۔ جلال الدین سیوطی 911ھ

(5) تذکرۃ الموضوعات: علی بن محمد ملا علی القاری 1014ھ

مختصر یہ کہ اسلام دشمنوں نے صرف تزکیہ کے شعبے پر ہی حملہ نہیں کیا دین کے ہر شعبے کو تختہ مشق بنایا۔ دشمن کی اس چال سے مرعوب ہو کر یہ کہہ اٹھنا کہ کیا اسلام میں تصوف کی بھی گنجائش ہے جہالت اور پست ہمتی کا ثبوت دینا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل حق نے ہمیشہ نبوت کے فرائض اور چہارگانہ فرائض کی بجا آوری کے لئے بساط بھر پوری پوری ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے۔ دین کے اہم شعبہ تزکیہ یا تصوف میں عمریں صرف کرنے والے دین کے دیگر شعبوں سے بے نیاز نہیں تھے دیکھ لیجئے صوفیہ کے امام امام داؤد طائی 160ھ بہت بڑے فقیہہ تھے۔

امام حسن بصری 110ھ اعلیٰ درجے کے مفسر قرآن تھے۔ جنید بغدادی 298ھ قرآن و حدیث میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ صاحب تصنیف تھے رسائل میں صرف تکبر پر 33 آیات قرآنی سے استناد کیا ہے سفیان ثوری 161ھ اور امام غزالی 505ھ کا نام طبقہ سوم اور پنجم کے مفسرین میں آتا ہے۔

مشہور مفسر قرآن امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ 606ھ صوفی کامل تھے نجم الدین کبریٰؒ کے خلیفہ تھے، صاحب تفسیر مظہری قاضی ثناء اللہؒ عظیم صوفی تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اعلیٰ پایہ کے صوفی تھے شاہ ولی اللہؒ کی الطاف القدس تصوف کی جان ہے اور حال کے علماء میں سے مولانا اشرف علی تھانویؒ مفسر قرآن بہت بڑے صوفی تھے ان کی کتاب مسائل السلوک دیکھئے ثابت کیا ہے کہ سارا تصوف قرآن کی عملی شکل ہے اور آپ کی کتاب التکشف عن مہمات التصوف کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث میں جو کچھ کرنے کا حکم ہے تصوف وہ سب کچھ کرنے کا سلیقہ سکھاتا ہے لہٰذا تصوف تو اسلام کا عملی پہلو ہے۔

ایک امر غور طلب اور وضاحت طلب رہ گیا ہے وہ یہ کہ

مانا کہ فرائض نبوت میں تزکیہ دوسرے نمبر پر آتا ہے یہ درست کہ تزکیہ ہی کا دوسرا نام تصوف ہے یہ بجا کہ نبی رحمت ﷺ کی ایک نگاہ سے ایک مسلمان کا کامل تزکیہ ہو جاتا تھا۔ لیکن نبی رحمت ﷺ کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد انسانیت اس نگاہ سے محروم ہو گئی تو امت اب یہ فریضہ کیونکر ادا کرے اور اگر اب تک ادا کرتی چلی آ رہی ہے تو اس کی صورت کیا ہے۔

سوال بڑا اہم ہے لیکن یہی سوال مادیات' محسوسات اور طبعیات کے علوم کے متعلق کیا جائے تو جواب کیا ہو گا یعنی عام لوہے کے تزکیہ کے لئے یعنی اسے میگنا ٹائز کرنے کے لئے برقی رو اس میں گزار دینا کافی ہے فوراً" اس کا تزکیہ ہو جائے اور اگر برقی رو میسر نہ آئے تو یہ کام کیسے ہو گا؟ تو اہل فن اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس کے تین طریقے اور بھی ہیں یعنی

1. Single Touch System.

2. Double Touch System.

3. Induction.

جب طبیعات میں اس کا امکان ہے تو اخلاقیات اور روحانیات میں کیوں نہ ہو گا۔

چنانچہ امت کے اہل علم اور اہل دل حضرات کے پاس قرآن و حدیث کی وہ دولت موجود ہے جو قیامت تک پیدا ہونے والے ہر مسئلہ کا حل دے سکتی ہے۔ قرآن کا تو دعویٰ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ اسی لئے اقبال یہ دعوت دیتا ہے تا! ؎

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں

قرآن کریم یہ بتاتا ہے کہ عمل تکوین کی ابتدا تخلیق سے ہوئی اور انتہا ہدایت پر ہوئی چنانچہ ارشاد ہے کہ رَبُّنَا الَّذِيْ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى اور انسان کا کمال اور انسانیت کی معراج یہ ہے کہ انسان کو ہدایت نصیب ہو جائے۔ ہدایت کہتے ہیں زندگی بسر کرنے کا وہ طریقہ جو اللہ و رسول کو پسند ہے

اور جس پر چلنے سے یہاں پاکیزہ زندگی بسر ہوتی ہے اور وہاں ابدی زندگی میں ہر قسم کی راحت اور عیش کی ضمانت ملتی ہے۔

ہدایت کے لئے قرآن کریم نے ایک شرط لگائی ہے ارشاد ہوتا ہے۔

یَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ اَنَابَ۔ یعنی اللہ کریم ہدایت اسے دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔ یعنی جو لینے کے لئے آگے بڑھے دامن پھیلائے۔ سوال یہ ہے کہ انابت کی نشانی کیا ہے وہ پیدا کیسے ہو۔ تو فرمایا اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ یعنی انابت کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ دل میں ایمان ہو آدمی by Conviction مسلمان ہو دوسری شرط یہ ہے اس کا دل اللہ کے ذکر سے چین پائے۔ دل کی دو حالتیں ہیں ایک ہے بیماری دوسری صحت' دل کی بیماری ہے پریشانی۔ اور دل کی صحت ہے اطمینان۔ دل صحت مند ہو گا تو اللہ کی طرف رجوع کرے گا اور دل کی صحت کا نسخہ اللہ کریم نے بتایا ہے **بلکہ** ڈنکے کی چوٹ سے بتایا ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس کے بغیر دل کی صحت کے لئے اس کے بغیر کوئی اور نسخہ سرے سے موجود ہی نہیں۔ فرمایا اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ یعنی کان کھول کے سن لو دلوں کو اطمینان صرف اللہ کے ذکر سے ملتا ہے۔

امت نے تزکیہ کے لئے اسی نسخے سے کام لیا۔ جب اس پر مزید غور خوض کیا گیا تو عجیب انکشافات ہونے لگے مثلاً"

قرآن کریم میں 160 مقامات پر ذکر الٰہی کا بیان آیا ہے۔

ii- قرآن میں دس عنوانات سے ذکر الٰہی کی تاکید کی گئی ہے۔

(i) مطلق امر۔ اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا (44,41:33)

(ii) نہی عن المنکر۔ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ (204:7)

(iii) مدار فلاح۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (45:8)

(iv) مدح اہل ذکر۔ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ عَظِيْمًا (35:33)

(v) خسران غافلین۔ لَا تُلْهِكُمْ الْخٰسِرُوْنَ (9:63)

(vi) جزاء ذکر۔ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (185:2)

(vii) سب سے بڑی چیز۔ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (45:29)

(viii) اعمال صالحہ کا انجام۔ صوم وصلوٰۃ حج کے ختم پر (185:2)

(ix) علامت دانشمندی۔ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ (191,190:3)

(x) اعمال کی روح۔ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي 14:20)

(xi) جہاد۔ فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ (25:8)

پس اس فن کے اماموں نے تزکیہ کا عمل ذکر الٰہی سے شروع کیا اور فن تزکیہ یعنی تصوف کی ابتدا بھی ذکر الٰہی ہے اور انتہا بھی ذکر الٰہی ہے۔ اہل فن نے قرآن کریم سے یہ اخذ کیا کہ ذکر الٰہی کی دو حیثیتیں ہیں۔ ذکر الٰہی بیمار دلوں کے لئے دوا ہے اور صحت مند دل کے لئے غذا ہے اور صحت مند دل کہہ اٹھتا ہے ۔

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ مجھے کام اپنے ہی کام سے
تیرے ذکر سے تیری فکر سے تیری یاد سے تیرے نام سے

iii- قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ترتیب نزولی کے اعتبار سے سورۂ مزمل قرآن کریم کی تیسری سورۃ ہے اس سے پہلے صرف دو سورتیں نازل ہوئی تھیں سورہ مزمل میں نبی رحمت ﷺ کو ارشاد ہوتا ہے اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلاً۔ اس آیت سے پہلے حضور کریمؐ کو قیام لیل کا حکم دیا گیا پھر ارشاد فرمایا کہ دن کو آپ کے مشاغل کا یہ عالم ہوتا ہے کہ پل بھر کے لئے چین نہیں ملتا مگر اس کے باوجود آپ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلاً آپ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتے رہیں اس طرح کہ دل ہر طرف سے کٹ کر اسی کی طرف لگا رہے۔

اس سے اہل فن نے ذکر الٰہی کے آداب اور ذکر الٰہی کی کثرت کا سراغ لگایا اور اس سے جو خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے علم تصوف میں اس کیفیت کو "خلوت در انجمن" کا نام دیا گیا ہے۔

قرآن کریم کے بعد حدیث کا مطالعہ کیا جائے تو ذخیرہ احادیث میں ذکر الٰہی کا باب ایک نہایت دلکش باغ کھلا ہوا نظر آتا ہے۔ صرف ایک حدیث ہی ایک پوری کتاب ہے ارشا فرمایا مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ رَبَّہٗ کَمَثَلِ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ ہے جسے زندہ اور مردہ میں تمیز ہے اس کے لئے یہ ایک حدیث ہی ایک مکمل کتاب ہے۔ حدیث اور تصوف کے موضوع پر تفصیل درکار ہو تو مولانا تھانوی کی کتاب التکشف عن مہماۃ التصوف کا مطالعہ فرمایئے اور اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ ذکر الٰہی سے تزکیہ کیونکر ہوتا ہے۔ تو ہماری کتاب تصوف اور تعمیر سیرت کا مطالعہ فرمایئے۔

اب سوال یہ ہے کہ ذکر الٰہی کا طریقہ کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اللہ کا ذکر کرنے کی تین صورتیں ہیں اول ذکر لسانی یعنی زبان سے اللہ کا ذکر کرنا۔ اس کی اہم ترین صورت نماز پنجگانہ اور نوافل یعنی تہجد' اشراق اوابین وغیرہ۔ دوسری صورت تلاوت قرآن مجید ہے تیسری صورت تسبیحات اور دوسرے مسنونہ وظائف مثلاً" کلمہ طیبہ' استغفار' درود شریف اور اسم ذات وغیرہ۔

ذکر لسانی میں دل اور دماغ کا زبان کا ساتھ دینا ضروری ہے دماغ کا کام سوچنا ہے ذکر لسانی میں ذہنی یکسوئی ضروری ہے اور دل کا کام محبت کرنا ہے اس لئے یہ ذکر شوق اور محبت کے ساتھ کیا جائے محض ضابطے کی کارروائی یا بیگار سمجھ کے نہ ہو۔ اگر دل اور دماغ زبان کا ساتھ نہ دیں تو تزکیہ کا عمل نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ۔

بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر
ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

ترجمہ : زبان پر تسبیح اور دل میں گائے اور گدھے کا خیال۔ اس طرح کی تسبیح کیا اثر رکھ سکتی ہے۔

ذکر لسانی کے متعلق ایک حدیث میں ہے کہ صحابہ نے پوچھا یارسولؐ کون سا عمل سب سے افضل ہے۔ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اِنْ تُفَارِقَ

اَلدُّنیَا وَ لِسَانُکَ رَطْبٌ مِّنْ ذِکْرِ اللّٰہِ یعنی افضل ترین عمل یہ ہے کہ جب تو دنیا سے جانے لگے تو تیری زبان پر اللہ کا نام ہو۔ حضور اکرم ﷺ کے اس اسلوب بیان میں عجیب نکات پائے جاتے ہیں۔

آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ بہترین عمل اللہ کا ذکر ہے۔ بلکہ طرز بیان میں انسانی نفسیات اور حقائق کی ایک دنیا سمو کے رکھ دی ہے اول یہ کہ مرتے وقت انسان کی زبان پر بلکہ دل اور دماغ میں وہی کچھ ہوتا ہے جس سے زندگی بھر دل لگائے رکھا ہو۔ لہٰذا مرتے وقت زبان پر اللہ کا نام تب آئے گا جب عمر بھر اللہ کا نام لینے کی عادت رہی ہو گویا یوں فرمایا کہ عمر بھر اللہ کا نام لینے کی عادت بناؤ۔ دوم یہ کہ زبان دل کی ترجمان ہوتی ہے بشرطیکہ آدمی بھانڈ یعنی ایکٹر نہ ہو۔ اس لئے زبان پر اللہ کا نام تب آئے گا جب دل میں اللہ کی محبت رچی بسی ہوئی ہو گی گویا حضور اکرم ﷺ نے اس اسلوب بیان میں اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا کہ عمر بھر دل میں اللہ کی محبت بسائے رکھو تاکہ مرتے وقت دل کی ترجمانی کرتے ہوئے زبان اللہ ہی کا نام لے کیونکہ "وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ماہرین فن تزکیہ ذکر لسانی کی مشق کے لئے دو عنوان اختیار کرتے ہیں ایک کا اصطلاحی نام ذکر نفی اثبات ہے یعنی لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللہ۔ اس میں لَا اِلٰہَ نفی ہے اور اِلَّا اللہ اثبات ہے۔ دوسرے عنوان کا نام ہے ذکر اسم ذات اللہ کریم کا ذاتی نام اللہ ہے باقی سب صفاتی نام ہیں۔ ذکر اسم ذات دو صورتیں ہیں ایک ہے اللہ اللہ اور دوسری اللہ ھو یہ ذکر کرانے کا طریقہ انسانی نفسیات کے گہرے مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ دیکھئے ایک آدمی سو رہا ہے اسے جگانا مقصود ہے۔ مگر یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ سونے والا کون سی نیند سو رہا ہے کیونکہ بعض لوگ یوں سوتے ہیں کہ محض پاؤں کی آہٹ سے جاگ اٹھتے ہیں۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ جب تک آواز نہ دی جائے جاگتے نہیں۔ بعض ان سے بھی سینئر ہوتے ہیں کہ جب تک جھنجھوڑا نہ جائے وہ نہیں جاگتے۔ تو سوئے ہوئے دل کو جگانے کے لئے اہل فن نے مختلف صورتیں اختیار کی ہیں جن کے اصطلاحی نام ذکر یک ضربی و ذکر دو ضربی' ذکر چہار ضربی

وغیرہ ہیں ان کی صورت بالکل یوں سمجھئے Single Touch System اور Double Touch System ہے اور Magnatize کرنے کا چوتھا طریقہ Induction ہے۔ تو تصوف و تزکیہ میں بالکل اسی جیسا چوتھا طریقہ صحبت شیخ ہے بیان شدہ شرائط کے ساتھ ذکر لسانی کیا جائے تو اس سے محبت الٰہی بڑھتی ہے اور دوام ذکر کی طرف قلب کا رخ ہو جاتا ہے۔

دوسری صورت ذکر قلبی ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ قرآن کریم کی اس آیت سے ہوتا ہے ارشاد ہے۔ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا۔ یعنی جس کے قلب کو (اس کی بدتمیزیوں کی وجہ سے) ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اس کی بات پر کان نہ دھرنا۔ یعنی قلب کا ذکر الٰہی سے غافل ہونا بہت بڑا وبال ہے۔ پھر نبی رحمت ﷺ کی اس حدیث سے بھی اس کی اہمیت واضح ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ جسم انسانی میں ایک عضو ایسا ہے اگر وہ درست ہو جائے تو سارا نظام درست ہو جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو سارا نظام بگڑ جاتا ہے۔ غور سے سنو وہ دل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دل کو اپنے رب سے آشنا کرنے اور اپنے رب کی محبت سمیٹنے اور زندگی کا نظام درست کرنے کے لئے ذکر قلبی نہایت ضروری ہے چنانچہ ماہرین فن تزکیہ ذکر قلبی پر بہت زور دیتے ہیں۔ ذکر قلبی کی ایک سریع التاثیر صورت پاس انفاس ہے۔

☆ ☆ ☆

سوال نمبر2 : ایصال ثواب سے متعلق عرض گزار ہوں کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس بات کی وضاحت فرما کر میری راہنمائی فرمائیں کہ کیا

1- قرآن پاک کی تلاوت کا ثواب، کلمے شریف کے ورد نیز درود پاک اور دیگر اذکار کا ثواب میت کو پہنچتا ہے یا کہ نہیں؟

2- کچھ لوگوں کو اکٹھا کر کے قرآن پاک کا ختم پڑھنا یا کلمہ شریف لاکھوں بار پڑھانا اور پھر اس کا ثواب فوت شدگان کو بخشنا کیا یہ طریقہ سنت نبویؐ میں ملتا ہے یا کہ بعد کا طریقہ ہے اور اس سے متعلق صحیح طریقہ کیا ہے؟

3- قرآن پاک ایک مرتبہ پڑھا اس کا ثواب جملہ مومنین کو بخشا کیا یہ ثواب تقسیم ہو کر سب کو ملے گا یا تمام کو ایک ایک قرآن پاک کا؟

ازراہ نوازش میری مذکورہ خلش کو قرآن و حدیث کی روشنی میں رفع فرما کر تشفی فرمائیں۔

الجواب : اس سلسلے میں پہلے ایک اصولی بات سمجھ لیں۔ آپ جانتے ہیں کہ زندگی کا روزمرہ کے مسائل کے حل کے لئے ملک میں رائج قانون موجود ہے اور قانون دان دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وکیل دوسرے جج۔ فرق یہ ہے کہ وکیل قانون کی کتابیں دیکھ کر اور کسی بڑے جج کے فیصلہ کو سامنے رکھ کر صرف قانون بتا سکتا ہے۔ فیصلہ نہیں دے سکتا مگر جج فیصلہ دیتا ہے اور اس کے فیصلے پر عمل ہوتا ہے۔

اسی طرح دینی معاملات کے لئے بھی قانون موجود ہے۔ اس قانون کے جاننے والے بھی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو قرآن و سنت اور فقہ کی کتابیں دیکھ کر قانون بتا سکتے ہیں ان کو وہ علماء حق کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جو فقہ کے ماہر ہوتے ہیں اور فیصلہ دے سکتے ہیں ان کو مفتی کہتے ہیں اور آپ نے دین کے قانون کا مسئلہ مجھ سے پوچھا اور میں نہ یہ ہوں نہ وہ ہوں البتہ دین کا طالب علم ضرور ہوں۔ اس لئے میں آپ کو دین کے ججوں کے فیصلے بتا سکتا ہوں لہٰذا بات ان کی ہوگی میں صرف بیان کروں گا۔

ایصال ثواب کا معنی ہیں ثواب پہنچانا۔ مگر یہ تو بتائیے ثواب کہتے کسے ہیں وہ ہوتا کیا ہے؟ دیکھئے ایک مزدور محنت کرتا ہے اس کی محنت کے بدلے جو اسے دیا جائے اسے مزدوری کہتے ہیں یا معاوضہ کہتے ہیں اگر مزدور اس طرح کام کرے کہ مالک کو پسند نہ ہو تو مزدوری نہیں ملتی۔ اسی طرح جو کام صرف اللہ کی رضا کے لئے کیا جائے اللہ کریم اس کا جو بدلہ دیتا ہے اسے ثواب کہتے ہیں۔ اچھا یہ دیکھئے کہ کسی نے کام کیا اس کو مزدوری ملی وہ اس رقم کو لے کر اپنے کسی عزیز یا محتاج کو دے دے تو کیا یہ ممکن ہے یا جائز ہے یا نہیں اور جن کو وہ دے رہا ہے اسے پہنچے گی یا نہیں۔ اگر ایسا ہو سکتا ہے تو ثواب کا پہنچنے میں شک کرنے کی وجہ کیا ہے۔ اب دیکھئے ایک آدمی اللہ کی رضا کے لئے قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے۔ کلمہ شریف پڑھتا ہے یا نقد یا جنس محتاجوں کو دیتا ہے تو کیا اللہ کریم اس کو معاوضہ نہ دے گا۔ ضرور دے گا مگر اللہ کریم کے دینے کے رنگ نرالے ہیں وہ یوں کہ پڑھنے والے کو اس کا پورا پورا حق دے گا اور اپنے خزانہ رحمت سے اتنا ہی اس کو بھی دے گا جس کو دینے کی وہ اپنے رب سے درخواست کرے گا۔ ہاں یہاں یہ بات بھی سمجھ لی جائے کہ ثواب تقسیم ہو کر نہیں پہنچتا۔ بلکہ ہر ایک کو پورا پورا ملتا ہے۔ کیونکہ دینے والا رب العالمین ہے۔ اس کی مثال ہماری روزمرہ زندگی میں موجود ہے ایک کمرے میں بہت سے لوگ بیٹھے ہیں ایک ٹیوب لائٹ جل رہی ہے کیا اس کی روشنی تقسیم ہو کر تھوڑی تھوڑی سب کو ملے گی یا سب کو پوری اور یکساں ملے گی۔ بس یہی سمجھ لیجئے کہ مجردات میں تقسیم نہیں ہوا کرتی۔

یہ ساری بات تو عقلی تھی اب علمائے کرام کے فیصلے لکھتا ہوں۔

1- ایک مفتی صاحب لکھتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ قبر میں مردے کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص دریا میں ڈوب رہا ہو اور لوگوں کو مدد کے لئے پکار رہا ہو۔ اسی طرح مرنے والا اپنے ماں باپ' بہن بھائی اور دوست احباب کی طرف سے دعا کا منتظر رہتا ہے اور جب وہ اسے پہنچتی ہے تو

اسے دنیا اور دنیا کی ساری چیزوں سے محبوب ہوتی ہے اور حق تعالیٰ شانہ زمین والوں (زندوں) کی دعاؤں کی بدولت اہل قبور کو پہاڑوں کے برابر رحمت عطا فرماتے ہیں۔ (بیہقی فی شعب الایمان و مشکوٰۃ باب الاستغفار)

2- ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں نیک بندے کا درجہ بلند فرماتے ہیں تو وہ عرض کرتا ہے یاالٰہی مجھے یہ درجہ کیسے؟ اور ارشاد ہوتا ہے تیرے لئے تیرے بیٹے کے استغفار کی بدولت۔

(رواہ احمد) و (مشکوٰۃ باب الاستغفار)

3- ایک شخص نے عرض کیا یارسولؐ اللہ! میری والدہ کا انتقال ہو گیا کیا میں اس کی طرف سے صدقہ دوں تو اس کے لئے مفید ہو گا۔ فرمایا ضرور۔ اس نے عرض کیا میرے پاس ایک باغ ہے میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے وہ باغ اپنی والدہ کی طرف سے صدقہ کر دیا۔ (ترمذی ص 145)

ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ مردوں کو ایصال ثواب پسماندگان کا فرض بنتا ہے اور اہل قبور کو وہ ثواب پہنچتا ہے۔

صحابہؓ کرام کا عمل :- حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نبی کریم ﷺ کی وفات پر کئی عمرے کئے اور ان کا ثواب نبی کریم ﷺ کی روح مقدس کو پہنچایا اور نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ اپنی عبادتوں کا ثواب حضور ﷺ کی خدمت میں ہدیہ کرتے تھے۔ (علم الفقہ 2 : 348)

حضرت علیؓ نے فرمایا مجھے نبی کریم ﷺ نے حکم دیا تھا کہ میں آپ کی طرف سے قربانی دیا کروں۔ سو میں آپ کی طرف سے ہمیشہ قربانی کیا کرتا ہوں۔

(مسند احمد : 1 : 101)

فقہاء کی رائے :- جمہور امت کے نزدیک ہر نفلی عبادت کا ثواب بخشنا صحیح ہے۔ مثلاً" دعا' استغفار ذکر و تسبیح' درود شریف' تلاوت قرآن مجید' نفلی روزہ صدقہ و خیرات' حج و قربانی وغیرہ۔

(اختلاف امت اور صراط مستقیم 165)

آیئے ایک سوال کا جواب باقی ہے وہ یہ کہ لوگوں کو اکٹھا کر کے قرآن پاک کا ختم کرنا یا کلمہ شریف کا لاکھ بار پڑھنا کیسا ہے؟

دیکھئے ثواب پہنچانے کے لئے ضروری ہے کہ ثواب ہو تاکہ پہنچایا جائے۔ اور ثواب ہوتا جب ہے جب کوئی عبادت اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ صرف وہی عبادت قبول فرماتا ہے جو صرف اس کی رضا کے لئے کی جائے جس عبادت میں کوئی ملاوٹ ہو وہ قبول نہیں ہوتی للہذا ثواب ہی نہیں ملتا پھر پہنچانا کیا ہوا یہ جو لوگوں کو اکٹھا کیا جاتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں اول یہ کہ دنیا داری کا لحاظ کرتے ہوئے آ گئے۔ دوسرا یہ کہ پیشہ ور پڑھنے والے پڑھ کے کھانے کے لئے آ گئے۔ دونوں صورتوں میں ثواب تو کوئی نہ ہوا پھر پہنچائیں گے کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنے والے خوب جانتے ہیں کہ یہ ڈرامہ صرف نمائش کے لئے یا اپنی ٹور بنانے کے لئے ہوتا ہے ثواب کے لئے ہوتا ہی نہیں۔

کرایہ پر پڑھنے والے بھلا کہاں اس جذبہ سے پڑھیں گے جو آدمی خود اپنے اعزہ کے لئے پڑھتا ہے۔ اس لئے درست یہ ہے کہ آدمی خود پڑھے۔ عبادت نفلی کرے خیرات کرے اور ایصال ثواب کرے۔

سوال و جواب 3- آپ کے تشریف لے جانے کے بعد جو بات بندہ کو معلوم ہوئی ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔

1- آپ کے سامنے تین رکاوٹیں ہیں۔ تجویز' تعیین اور تعجیل-یعنی یہ ہونا چاہئے۔ اس صورت میں ہونا چاہئے اور جلد ہونا چاہئے۔ یہ تینوں امور دراصل مدبر کائنات کے ساتھ مقابلہ کی صورت ہے۔ یہ رویہ لینے کے آداب کے خلاف ہے۔ اس کے ساتھ معاملہ کی صحیح صورت یہ ہے کہ میں ذکر و فکر جو کچھ کرتا ہوں صرف تیری رضا کے لئے کرتا ہوں اور پیدا ہی اسی کے واسطے کیا گیا ہوں ؎

تو بندگی چوگدایاں بشرط مزد مکن
کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

ترجمہ :تو گداگروں کی طرح بندگی مزدوری کی شرط پر نہ کر کہ تیرا آقا (اللہ تعالیٰ) بندہ پروری کے طریقے کو بہتر جانتا ہے۔

2- آپ فرماتے ہیں کہ کسی وقت قلب بھی جاری معلوم ہوتا ہے مگر اجرائے قلب سے جو انوار برآمد ہونے چاہئیں وہ نہیں ہے اول تو قلب کے جاری ہونے کے مفہوم میں غلط فہیوں کا ایک عالم آباد ہے سچ کہا اکبر نے کہ ؎

غلط فہمی بہت ہے عالم الفاظ میں اکبر
بڑی مایوسیوں کے بعد آخر کام چلتا ہے

پھر انوار کے متعلق اس سے بھی بڑی غلط فہمی ہے جب آیت اَفَمَنْ شَرَحَ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ترجمہ : جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا وہ اپنے رب کی طرف سے نور ہدایت پر ہے۔

نازل ہوئی تو صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اس نور کی علامت کیا ہے تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس کی علامت ہے کہ 1- دنیا کی محبت سے

دل اچاٹ ہو جانا۔ 2۔ آخرت کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جانا۔ 3۔ موت کے آنے سے پہلے اس کے استقبال کی تیاری میں لگ جانا۔

صحابہؓ کے پاس گو روایتی علم نہیں تھا مگر نگاہ نبوت کے اثر سے حقیقت شناس بن گئے تھے۔ اگر نور سے مراد چمک ہوتی تو وہ پوچھتے کہ حضور! اس کا رنگ کونسا ہے؟ اور حضور ﷺ بتا دیتے کہ اس کا رنگ یہ ہے اس کی چمک کی شدت کا یہ عالم ہوتا ہے۔ تو نور کی علامات جو حضور اکرم ﷺ نے بتائی وہی نور کی حقیقت ہے اور یہی قلب کا جاری ہونا ہے۔

3۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ "موثر ذکر نصیب نہیں" تو بندے کا کام صرف خلوص سے ذکر کرنا ہے۔ اثر پیدا کرنا بندے کے دائرہ عمل سے باہر ہے۔ تو جو چیز غیر اختیاری ہو اس کی فکر میں گھلتے رہنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ جب اس نے حکم دیا کہ فَاذْكُرُونِيْ أَذْكُرْكُمْ ترجمہ: تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں۔ تو بندہ ذکر کے اثرات چمک دمک کی شکل میں ڈھونڈھتا پھرے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ بندہ أَذْكُرْكُمْ کو ذکر کا اثر یا ثمرہ نہیں سمجھتا یا اتنے کم اثر سے مطمئن نہیں ہوتا۔ دونوں صورتیں خطرناک ہیں۔

4۔ پھر آپ لکھتے ہیں کہ "عاجز کو سلوک سکھائیں"

حضرت! جو شخص خود پورے طور پر حرف شناس بھی نہ ہو وہ دارالعلوم کھول بیٹھے تو اس میں کیا تک ہے اپنا حال تو ہے کہ ؎

می توانی کہ دہی اشک مرا حسن قبول
اے کہ در ساختۂ قطرۂ بارانی را

(اے اللہ تو میرے آنسو کو بھی حسن قبولیت سے نوازے کہ تو بارش کے قطرے کو موتی بنا دیتا ہے۔)

پھر آپ فرماتے ہیں کہ اگر استعداد ہے تو مطلع فرمائیں۔
خالق نے استعداد تو ہر انسان میں رکھی ہے جس کی اطلاع محبوب خالق ؐ

نے ان الفاظ میں دی ہے کہ کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُولَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ۔ ترجمہ : ہر پیدا ہونے والا فطرت اسلام پر ہی پیدا ہوتا ہے۔

مگر صرف استعداد کافی نہیں۔ اس کے لئے آداب بھی ہیں سلیقہ بھی ہے شرائط بھی ہیں۔ دیکھئے پیالہ کے بنانے والے نے اس میں نصف پر پانی جمع رکھنے کی استعداد رکھی ہے مگر کوئی شخص اگر دریا میں بھی پیالہ کو الٹا رکھ دے تو اس میں ایک قطرہ پانی کا نہیں اٹک سکے گا۔ تو اس کے لئے آداب یہ ہیں کہ پورے اخلاص کے ساتھ آدمی سیکھے یعنی حب جاہ اور حب مال وغیرہ کی آمیزش رائی بھر بھی نہ ہو۔ ایک ولی اللہ کا واقعہ پڑھا ہے کہ ان کے پاس کوئی طالب آیا آپ نے اسے مجلس ذکر میں بٹھا کر توجہ شروع کی کیا دیکھتے ہیں کہ اس کا قلب توجہ کے اثرات قبول ہی نہیں کرتا کئی روز یہی حال رہا آخر آپ نے پوچھا میاں تم اللہ اللہ کیوں سیکھنا چاہتے ہو کہنے لگا جی بس اسی لئے کہ میں بھی کچھ بن جاؤں اور لوگوں کو سکھاؤں۔ فرمایا اچھا پہلے دن ہی پیر بننے کا شوق لے کر آئے ہو توبہ کرو اس شرک سے اور نیت کر صرف اس کی رضا کے لئے۔ آدمی مخلص تھا توبہ کی دوسرے دن دیکھا کہ قلب دھڑا دھڑ توجہ کے اثرات قبول کر رہا ہے۔

آخر میں عرض یہ ہے کہ آپ پورے خلوص سے ذکر و فکر کریں اور نتیجہ سے بے نیاز ہو جائیں جس قسم کے طرز تعلیم سے آدمی مانوس ہو اسی میں مجاہدہ کرنا چاہئے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ بڑے باکمال مربی تھے۔ ان کا فیض جاری ہے اور خود آپ کی ذات اسی فیض سے منبع فیض بن چکی ہے۔ آپ کا منصب تو یہ ہے کہ ؎

ہم نہیں وہ کہ ہر اک شیشے سے ساغر بھر لیں
ہاں کبھی تو نے پلائی ہے تو پی ہے ساقی

☆ ☆ ☆

سوال و جواب نمبر 4- آپ نے دو مطالبے کئے ہیں۔ (1) قرآن و حدیث و فقہا کے حوالہ جات لکھو۔ یہ کیونکر ہو کہ میں نہ عالم نہ مفتی نہ فقیہ۔ عالم اور مفتی میں وہی فرق ہے جو وکیل اور جج میں ہوتا ہے کہ وکیل صرف قانون بتا سکتا ہے اور جج فیصلہ دیتا ہے۔

(2) کہ ہم ان کے بڑوں سے رابطہ کر کے انہیں سمجھا سکیں مگر آپ کے مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ دینی عالم نہیں ہیں لہٰذا جب آپ ان کے بڑوں سے رابطہ کریں گے تو آپ کی بات سننے سے پہلے وہ آپ سے سوال کریں گے کہ صاحب آپ کس دارالعلوم کے فارغ التحصیل ہیں کون سے اساتذہ سے آپ نے قرآن و حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کی ہے۔ اب ہو گا یہ کہ آپ سچ کہہ نہ سکیں گے اور جھوٹ بول نہ سکیں گے وہ بڑے آپ سے کہیں گے کہ ہم مفسر ہم محدث ہم فقیہہ ہم نے قرآن و حدیث پڑھنے پڑھانے میں عمریں کھپائیں ہیں اور توکل کا چھوکرا اور وہ بھی پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل ہمیں دین سکھانے آیا ہے۔ جا اپنا کام کر بس آپ کا سارا پروگرام دھرا کا دھرا رہ جائے گا اس لئے آپ اس کام کے لئے صحیح طریقہ اختیار کریں مثلاً" مولانا عبداللہ صاحب رویت ہلال کمیٹی کے صدر اور ایسے ہی دوسرے حضرات راولپنڈی اور اسلام آباد میں موجود ہوں گے آپ ان سے ملیں اور ان سے عرض کریں کہ آپ دیکھتے ہیں کہ یہاں میلاد النبی ﷺ کے نام سے جو دھما چوکڑی ہوتی ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے آپ ان کے بڑوں کو کیوں نہیں سمجھاتے پتہ ہے وہ آپ کو کیا جواب دیں گے؟ وہ کہیں گے برخوردار ہمارے بڑوں نے ان کے بڑوں کے ساتھ نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک سر کھپایا ہے اور ہم چودھویں صدی سے گزر کر پندرھویں صدی میں داخل ہو گئے ہیں اور برابر مغز مار رہے ہیں مگر ان کی سمجھ میں بات نہیں آتی کیونکہ یہ سمجھنا چاہتے ہی نہیں مگر پھر بھی ہماری کوشش جاری ہے۔ ویسے آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں کوئی آپ سے کہے یا آپ کو سمجھائے کہ اپنا مذہب چھوڑ دو تو کیا آپ اس کی بات مان لیں گے؟ یقیناً نہیں، تو آپ

ان سے کیوں مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ اپنا مذہب چھوڑ دیں۔ آپ کہیں گے ہم تو یہ مطالبہ نہیں کرتے۔ مگر سنئے آپ کرتے ہیں وہ یوں کہ ان کے مذہب کے عظیم عمارت تین ستونوں پر کھڑی ہے۔ کھانا' گانا اور دکھانا یعنی Show' اس سے باہر کچھ بھی نہیں۔

آپ کے مکتوب کا علمی جواب تو وہی ہے جو چار صفحات میں پیش کر دیا لیکن یہ بھی بتا دوں کہ اس کے جواب کے لئے کسی بڑے علم کی ضرورت نہیں صرف اتنی بات ہے کہ آدمی حادثہ کے طور پر مسلمان نہ ہو یعنی صرف اس لئے مسلمان نہ ہو کہ ایسے گھر میں پیدا ہوا جس میں بسنے والوں کا نام مسلمانوں جیسے تھے اور بڑا ہوا تو مردم شماری کے کاغذات میں مسلمان درج ہو گیا بلکہ سوچ سمجھ کر مسلمان ہوا تو وہ صرف عقل عامہ یعنی کامن سنس سے کام لے تو بات سمجھ میں آ جاتی ہے وہ یوں کہ :-

(1) دین اسلام اللہ کریم کا بتایا ہوا اور پسندیدہ دین ہے۔ اس لئے اُس کی بنیادی کتاب قرآن حکیم ہے۔

(2) اس کتاب کا مطلب سمجھانے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا طریقہ سکھانے کے لئے اللہ کریم نے محمد رسول اللہ ﷺ کو مقرر فرمایا۔

(3) آپ نے اس کتاب کی دو طرح تفسیر کی اول کلام سے جو حدیث کے نام سے جمع شدہ ذخیرہ دنیا میں موجود ہے دوم کام سے یعنی عمل کر کے جس کا ریکارڈ تاریخ میں موجود ہے۔

(4) پھر آپ نے اس کتاب کے احکام پر اکیلے خود عمل نہیں کیا بلکہ ایک بڑی جماعت تیار کی جن سے اپنے سامنے اس کتاب پر عمل کرایا اور جہاں کسی سے کوئی چوک ہوئی حضور ﷺ نے خود اس کی اصلاح فرمائی اس جماعت کے سرخیل خلفائے راشدین ہیں اور اس جماعت کے افراد کی تعداد ایک لاکھ سے کچھ اوپر ہے جس کو صحابہؓ کہتے ہیں۔ پس دین اسلام نام ہے کتاب اللہ' اس کی وہ تشریح جو اللہ کے رسول نے کی اور اس پر عمل جو اور جس طرح صحابہ کرامؓ

نے کیا۔ اس سے باہر جو کچھ بھی ہو وہ دین نہیں یعنی وہ دین اسلام نہیں۔

اس کی ایک اور توجیہ بھی ہے وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ کی محبت عین دین ہے۔ تو اس سلسلہ میں دو باتیں قابل غور ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے اپنے ساتھ محبت کرنے کا واضح حکم دیا بلکہ یہاں تک فرمایا کہ وہ صحیح معنوں میں مومن ہی نہیں جس کو اپنے ماں باپ اور اپنی اولاد سے بڑھ کر میرے ساتھ محبت نہ ہو' تو جب یہ اتنا ضروری کام ہے تو کیا حضور اکرمؐ نے اس کام کے کرنے کا طریقہ کوئی نہیں بتایا؟ یہ تو ممکن ہی نہیں۔ لہٰذا حضور ﷺ نے محبت کرنے کا طریقہ اور سلیقہ بھی بتایا اور فرمایا

مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ یعنی جس کو میری سنت سے محبت ہے وہ میرے ساتھ محبت کے دعوے میں سچا ہے اگر نہیں تو وہ جھوٹا ہے۔ اور سنت کیا ہے؟ یہی کہ حضور ﷺ نے جو کام جس طریقہ سے کرنے کا حکم دیا وہ کام اس طریقہ سے کرنا سنت ہے۔ لہٰذا جو سنت کا پابند نہیں وہ حضور ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا ہے کذاب ہے۔

سوال و جواب نمبر5 :   آپ کا مکتوب گرامی اور اس کے ساتھ ایک عظیم علمی اور معلوماتی تحفہ موصول ہوا۔ یہ آپ کے جذبہ خیر خواہی کا مظہر ہے کہ ایک پیر کہن سال کو گمراہ ہوتے دیکھا تو اس کی ہدایت کا سامان بھیج دیا۔ میں آپ کا ممنون ہوں۔ آپ کے مکتوب گرامی کا تفصیلی جواب لکھنے سے پہلے آپ سے ایک شکایت کرنے کو جی چاہتا ہے وہ یہ کہ آپ نے لکھا ہے کہ پہلے کسی موقع پر میں نے آپ کو ایک کتابچہ ایک نصیحت آموزاور ترغیبی خط ارسال کیا مگر افسوس آپ نے اسے پڑھنے کا تکلف نہیں فرمایا اگر غور سے مطالعہ کرتے تو آپ کو یہ تازہ تکلیف کرنے کی ضرورت نہ ہوتی اب میں تفصیلی جواب عرض کرتا ہوں۔

(1) آپ نے لکھا ہے کہ میری کتاب قرآن حکیم اور دعوت تبلیغ دین تبلیغیوں کے لئے وجہ پریشانی بنی ہوئی ہے۔ تو تو نے یہ کتاب لکھی کیوں؟ پھر آپ نے تین کتابیں ارسال فرمائیں کہ دیکھ لو ایک دنیا تبلیغی جماعت کی مداح ہے۔ تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ جو کچھ ان کتابوں میں ہے حضرت دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت کے متعلق ہے اور میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس ماڈرن تبلیغی جماعت کے متعلق ہے جس کے کمانڈر عبدالوہاب صاحب ہیں اور جو پاکستان بھر میں آوارہ گردی کرتی نظر آتی ہے۔

اب میں آپ کو بتاؤں کہ حضرت دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور موجودہ تبلیغی جماعت میں فرق کیا ہے اس فرق کا خلاصہ یہ سمجھئے جو مشرق اور مغرب میں فرق ہے وہی ان دونوں میں ہے اس کی تفصیل کے لئے آپ نکالیں میری کتاب اور کھولئے ایک نصیحت آموز اور ترغیبی خط

(الف) صفحہ نمبر5 پر شیطان کا طریقہ واردات پڑھئے۔

کام کے ظاہری جسم کو موٹا تازہ ہونے دیا لیکن چور دروازے سے گھس کر حفاظتی قلعہ اور کام کی روح پر ایسی چالاکی سے حملہ کیا کہ خود تبلیغ والے تبلیغ کی زندگی اور پھیلاؤ کو اس کی روح کے درجات پر منحصر سمجھنے لگے۔ سمجھے

آپ؟ اب تبلیغی جماعت ایک بھولی ہوئی روش ہے۔ روح نکل چکی ہے۔

(ب) صفحہ 6 نکالئے :- اور اس خطرناک مہلک غلط پر پردہ ڈالنے کے لئے روح کا نام اور حفاظتی قلعہ کا فقط نام باقی رکھا جائے۔ وہ روح اور حفاظتی قلعہ کیا ہے وہ ذکر اللہ ہے جو ساری عبادات نماز جہاد اور تبلیغ کی بھی روح ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ موجودہ تبلیغی جماعت ذکر الٰہی سے یوں بھاگتی ہے جیسے شیطان لاحول سے بھاگتا ہے ان کو سب سے زیادہ نفرت اس آدمی سے ہوتی ہے جو اللہ کا ذکر کرتا ہو۔

(ج) ص 6- شیطان نے نہ صرف اس روح کو کمزور کرنے کی کوشش کی بلکہ اس کی مخالفت کرنے پر آمادہ کیا۔

(د) ص 7- حضرت دہلویؒ کا فرمان۔ علم و ذکر کو مضبوطی سے تھامنے کی زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے اور موجودہ جماعت کو علم و ذکر سے زیادہ سے زیادہ بچنے کی ضرورت ہے۔

(ر) ص 10 اور 11 ذکر کے متعلق حضرت دہلویؒ کی سات ہدایات پڑھیں کیا موجودہ جماعت میں ان پر عمل ہوتا ہے؟

(س) ص 12 آپ لوگوں کی یہ ساری چلت پھرت بیکار ہو گی اگر اس کے ساتھ علم دین اور ذکر اللہ کا اہتمام آپ نے نہ کیا۔ گویا علم اور ذکر دو بازو ہیں جن کے بغیر اس فضا میں پرواز نہیں کی جا سکتی۔ ورنہ آپ کی یہ تبلیغی تحریک آوارہ گردی ہو کر رہ جائے گی۔ سمجھے آپ؟ یہاں اب ذکر کے اہتمام کی جگہ ذکر کی مخالفت کا پورا پورا اہتمام ہوتا ہے۔ پھر یہ آوارہ گردی نہیں تو اور کیا ہے؟

(ص) علم دین اور ذکر اللہ کے اہتمام کے بغیر نکلنا کچھ بھی نہیں۔ یعنی موجودہ تحریک کچھ بھی نہیں موجودہ جماعت کی خودفریبی اور خدا فریبی کی تکنیک ملاحظہ ہو۔

(الف) ص 15 ان کو سمجھایا جاتا ہے کہ یہی دعوت کا کام حقیقی ذکر ہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

(ب) پڑھایا جاتا ہے نماز ہی ذکر ہے۔ ص 8 ذکر کی حقیقت بیان کرنے کے بعد۔ حاصل یہ فرائض وغیرہ کے ذکر ہونے کا مدار قلب کی اصلاح اور اس کے ذاکر ہونے پر ہے لہذا قلب کی اصلاح ظاہری اعمال کی اصلاح کے لئے شرط ہوئی اور مقدم ہوئی۔ اور ظاہر ہے کہ قلب کی اصلاح ذکر قلبی ہی سے ہوتی ہے اور تبلیغیوں کو ذکر بالخصوص ذکر قلبی سے دلی دشمنی ہے پھر نماز سے کیونکر ہے ہاں یہ نماز اٹھک بیٹھک اور ورزش کا کام ضرور دے جاتی ہے۔

میرے خیال میں اس سے زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں آپ اسی خط کے صفحات 18' 20' 21 تا 27 اور 34 غور سے پڑھ لیں مختصر یہ ہے کہ حضرت دہلویؒ کی جماعت جس کا اہتمام لے کر اٹھی تھی موجودہ جماعت کا واحد مقصد اس کام کی مخالفت کرنا اور دوسروں کو اس کام سے روکنا ہے لہذا میری کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے اس فرق کو ملحوظ رکھا جائے۔

اب میں آپ کے ان سوالات کا جواب عرض کرتا ہوں جو بقول آپ کے ماڈرن تبلیغیوں کے ہیں آپ کے نہیں۔

(1) اس کتاب کے لکھنے کے محرکات کیا تھے؟

جواب :- اس کے محرکات تین تھے اول کتاب الہٰی' دوم نصیحت آموز خط سوم ماڈرن تبلیغیوں کے لچھن۔

کتاب الہٰی کے مطالعہ سے اس حقیقت کا علم ہوا کہ قرآن کریم نے آدمی کو اللہ کا بندہ بنانے کا طریقہ اور سلیقہ سکھانے کے لئے چند عبادات مقرر کی ہیں۔ قرآن کریم نے ان عبادات کے بجا لانے کا حکم دیا اور بارہا دیا مثلاً" سب سے پہلی عبادت نماز ہے جس کے متعلق نبی رحمت ﷺ نے فرمایا اَلْفَرْقُ بَیْنَ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ وَالْکَافِرِ الصَّلٰوۃ ترجمہ : مومن آدمی اور کافر کے درمیان فرق نماز کا ہے۔ اس عبادت کا حکم سینکڑوں بار دیا مگر اس کا طریقہ نہیں بتایا یہ کام اپنے رسول کے سپرد کر دیا آپ نے بتایا کہ نماز کے اوقات کون سے ہیں۔ ہر نماز میں رکعات کتنی ہیں ان میں کیا پڑھنا ہے یہ قرآن نے ہمیں نہیں بتایا اسی

طرح روزہ و زکوۃ اور حج کا طریقہ قرآن نے ہمیں بتا دیا مگر دعوت و تبلیغ اتنا نازک اور اہم کام تھا کہ اللہ کریم نے اس کے حکم دینے کے ساتھ اس کام کا سلیقہ اور شرائط بھی بتا دیں ارشاد ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ترجمہ: اپنے رب کے راستے کی طرف بلاوا حکمت و دانائی اور اچھی نصیحت کے ساتھ دو اور ان لوگوں سے احسن طریقے سے جھگڑا کرو۔ یعنی دعوت کا کام ان تین شرائط کے ساتھ مشروط کر دیا۔ اور قاعدہ ہے کہ اذا فات الشرط فات المبشروط یعنی جب شرط گئی تو مشروط بھی گیا۔ لہٰذا وہ دین کی دعوت ہی نہیں جس میں یہ تین شرطیں نہ پائی جائیں۔ یوں سمجھئے نماز کے لئے وضو' لباس اور جگہ کا پاک ہونا' اور قبلہ کی طرف منہ کرنا شرط ہے۔ آدمی کہے کہ اس کی ضرورت نہیں نہ وضو کرو نہ پاک بدن اور لباس کا اہتمام کرو۔ نہ قبلے کی طرف منہ کرنے کا تکلف کرو بس نماز پڑھتے جاؤ تو ظاہر ہے کہ وہ پانچ نمازیں **کیا** پچاس نمازیں بھی پڑھے قبول نہیں اور اس جرم کی سزا کا مستحق ہے کہ اس نے شریعت کی توہین کی۔

بس اسی طرح جس نے ان شرائط کے بغیر تبلیغ کا کام کیا۔ وہ دعوت تبلیغ سرے سے ہے نہیں اور اللہ کے حکم کی توہین کے جرم کی سزا کا مستحق ہے۔ پھر نصیحت آموز خط کا مطالعہ کیا اور مشاہدہ کیا تو پھر کتاب الٰہی پر غور کیا۔ اللہ کی کتاب میں ذکر الٰہی کرنے کا براہ راست حکم 74 دفعہ آیا ہے۔ جو کبھی صیغہ واحد حاضر اور کبھی صیغہ جمع حاضر کے ساتھ بیان ہوا۔ ان میں سے تین مقام کو ذکر کے ساتھ کثیر کی صفت لگی ہوئی ہے یعنی کثرت سے ذکر کرنے کا حکم ہے پھر ان تین میں سے ایک مقام پر ذکر کثیر کو مدار فلاح قرار دیا ہے ارشاد ہے۔

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ یعنی نماز (جمعہ) ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اللہ کا فضل (رزق حلال) تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم

فلاح پاؤ۔

پھر قرآن کریم میں بھی 87 مقام پر ذکر الٰہی کا بیان اس انداز سے ہوا کہ ہر بیان دراصل ذکر کرنے کا حکم ہے مثلاً" کہیں ذکر الٰہی کی فضیلت کہیں ذاکرین کی فضیلت اور ان کے لئے انعامات کا اعلان کہیں ذکر نہ کرنے والوں کی مذمت اور اس جرم کی سزا کا بیان ہوا۔

اس خط اور مشاہدہ سے معلوم ہوا کہ ماڈرن تبلیغیوں کو ذکر الٰہی سے اتنی نفرت اور دشمنی ہے جتنی شیطان کو ہے کسی کو ذکر کرتا دیکھیں یا سنیں تو ان کے ہاں صف ماتم بچھ جاتی ہے۔ اور سارا مرکز اور بڑے میاں بھی سخت ناراض ہوتے ہیں۔ اور جب یہ پڑھا کہ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَه‘ شَيْطَاناً فَهُوَلَه‘ قَرِيْنٌ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ یعنی جو لوگ اللہ کے ذکر سے روگردانی کریں ہم ان پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو ان کا پیچھا نہیں چھوڑتا اور وہ شیطان انہیں اللہ کے ذکر سے روکتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہدایت پر تو بس ہم ہی ہیں تو ماڈرن تبلیغی بنے سنورے چشم تصور کے سامنے آ گئے۔

تینوں وصف موجود ہیں ذکر الٰہی سے بھاگتے ہیں دوسروں کو روکتے بھی ہیں اور اصلی مسلمان ہونے کے مدعی بھی ہیں۔ اس مطالعہ کے بعد خیال آیا کہ ان حضرات کو ان کی خطرناک روش کا احساس تو دلایا جائے اگر ان کے دلوں میں زندگی کی کوئی رمق باقی ہوئی تو اللہ کریم کی مخالفت اور قرآن دشمنی سے باز آ جائیں گے۔ سو اس فقیر نے قرآن حکیم اور دعوت و تبلیغ دین کے نام سے یہ کتابچہ لکھا اور ان کی بیاری کی یاد تازہ کرنے کے لئے اس کے ساتھ نصیحت آموز خط کی نقل بھی چھاپ دی۔

اب رہی یہ بات کہ "جاہل اور دعوت" کے اعتراض کا جواب تو برسوں پہلے کتاب میں دیا جا چکا ہے۔ جب وہ جواب پڑھا تو حیرت ہوئی کہ قرآن نے تو دعوت کے لئے تین شرائط بیان کی ہیں۔ حکمت، موعظہ حسنہ اور جدال بطریق

احسن۔ اگر موعظہ حسنہ کی ترکیب کا سہارا لے کر یوں کہا گیا کہ وعظ کرنا تو بیشک علماء کا کام ہے تو باقی دو شرائط صرف جاہل ہی پورا کر سکتے ہیں لہٰذا جاہلوں کو کھلی چھٹی ہے کہ اللہ کے اس حکم کی توہین دل کھول کر کریں۔

اب رہی یہ بات کہ نبی کریم ﷺ نے کئی مقامات پر تاکید سے فرمایا تھا کہ حاضرین، غائبین کو یہ بات پہنچا دیں تو کیا حاضرین سارے علماء ہی تھے۔

؎ اس سادگی پر کون نہ مرجائے اے خدا

حضور ﷺ کے سامنے وہ تھے جن کے متعلق ارشاد فرمایا! اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اقْتَدَیْتُمْ اھْتَدَیْتُمْ۔ یعنی میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کسی کا دامن تھام لو گے تمہیں منزل پر پہنچا دے گا یہ کیوں فرمایا اس لئے کہ حضور ﷺ کی تربیت نے مس خام کو کندن بنا دیا۔ ایک ادنیٰ صحابی آج کل کے سینکڑوں علماء سے بڑھ کر عالم تھا۔ یار لوگوں نے اسے یوں بنا لیا کہ اَلْمُسْلِمُوْنَ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اقْتَدَیْتُمْ اھْتَدَیْتُمْ۔ یعنی ہر مسلمان بھی جاہل گنوار ڈوم بھانڈ ہدایت کا ستارہ ہے جس کی پیروی کرو تمہیں جنت میں لے جائے۔ بے نظیر بھی ہدایت کا ستارہ ہوئی مسرت نذیر بھی ہدایت کا ستارہ ہو گئی۔ سُخُنْ فِہْمِیِ عَالَمِ بَالَا مَعْلُوْم شُد۔

ڈاکٹر صاحب! اس اصول کا اطلاق ذرا اپنے فن پر کر کے دیکھیں یعنی صحت کے موضوع پر تقریر یا وعظ کرنا ہو تو ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو میڈیکل سائنس پڑھا ہو۔ مگر علاج کے لئے ہر جاہل اور گنوار کا فرض ہے کہ گلی گلی گھوم کر صدا لگائے لوگو! آنکھیں بنوا لو۔ T-B کا علاج کرا لو۔ جگر کا آپریشن کرا لو۔ اس کے لئے طب کا علم ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیا آپ اس سے اتفاق کریں گے؟

یہ تو ایک بات ہوئی۔ ذکر الٰہی سے جو ان کی دشمنی ہے اس کا جواب کہاں ہے ہاں اس کا جواب اسی خط میں ہے جو کتاب کے آخر لگا ہوا ہے۔ اس کا ص 12، 13، 15، 22، 23 اور 27 اور 34 ایک مسلمان کی نگاہ سے پڑھئے۔

س (2) تبلیغی جماعت کے افراد کو آپ کی مذکورہ کتاب کے ص 16، 17 21 تا 24 سے کیا فائدہ ہو گا۔

جواب : وہی جو مکے والوں کو سورہ القلم بالخصوص اس کی آیت نمبر 7 تا 15 سے ہوا تھا۔

س (3) وقت لگانے اور تبلیغی مراکز میں جانے کے متعلق سوالات۔

جواب : مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ موقعہ نہیں دیا میں نے ماڈرن تبلیغی جماعت کے متعلق اس نصیحت آموز خط کی شہادت کو قابل اعتماد سمجھا حالانکہ لکھنے والا وہ ہے جس نے صرف قریب سے نہیں دیکھا بلکہ ایک عمر کھپائی اور لکھوانے والے شیخ الحدیث ہیں جنہوں نے جماعت کے ہر مرحلے کا بغور مشاہدہ کیا اور موجودہ حالت کا نقشہ اس خط میں کھینچ دیا۔ ان کے ہر تجربہ اور مشاہدہ پر مجھے اعتماد ہے۔

(4) Statistics سے ثبوت لاؤ کہ تبلیغی جماعت کو کیا فائدہ پہنچا۔ افادیت بتاؤ۔

جواب : یہ سوال سائل یا سائلین کی جہالت اور دین سے ناواقفیت کا شاہکار ہے۔

ان بیچاروں کو قرآن کریم دیکھنے یا پڑھنے کا وقت ہی نہیں ملتا نکلنے اور گھومنے کی ایسی مصروفیت کہ قرآن پڑھنے کا موقعہ نہیں آتا اور اگر کوئی آدمی قرآن کا حکم سنائے تو قرآن کی مخالفت کا جذبہ ابھر آتا ہے۔ جیسے دعوت کی شرائط اور ذکر الٰہی کی تاکید کا معاملہ ہے ان دونوں احکام کی مخالفت کرنے سے جی ہی نہیں بھرتا بہرحال اگر کچھ وقت نکال کے قرآن پڑھ لیں تو اس میں ایک اصول ملتا ہے۔

(1) فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (35-17) یعنی رسولوں کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ اللہ کی بات واضح طور پر بندوں کو پہنچا دیں۔

(2) مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ (5-99) یعنی رسول کے ذمے صرف پہنچانا ہے۔

(3) حضور اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا

فان اعرضوا فما ارسلناک علیھم حفیظا ان علیک الاالبلاغ ترجمہ : اگر وہ اس سے اعتراض کرتے تو ہم نے آپ کو ان کا محافظ بنا کر نہیں بھیجا بلکہ آپ پر لازم فقط تبلیغ ہے۔ (24 : 48) معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو Statistics کا علم ہی نہیں تھا ورنہ فرماتا کہ پہنچانے کے بعد اعداد و شمار اکٹھے کیا کرو' کہاں ہوتے تبلیغیے جو اللہ تعالیٰ کو یہ فن سکھاتے۔

پھر یہ بیچارے جہالت کے مارے تاریخ سے بھی نابلد ہیں۔

(1) نبی کریم ﷺ نے 13 برس مکے والوں کو قرآن سنایا سمجھایا دین کی دعوت دی۔ مگر کہتے ہیں جنہوں نے بات مانی اگر یہ تبلیغیے وہاں ہوتے تو حضور ﷺ کو مشورہ دیتے کہ اعداد و شمار بتاتے ہیں کوئی فائدہ نہیں قرآن کو دریا برد کرو۔ اللہ کو Statistics کا علم آتا نہیں اس لئے وہ قرآن خواہ مخواہ نازل کرتا جا رہا ہے۔ آپ کو ہم اعداد و شمار کا علم سکھاتے ہیں اللہ کو مشورہ دیں کہ یہ کام بند کریں۔ نتائج امید افزا نہیں ہیں۔

(2) تاریخ میں اس سے بڑا بھی ایک حادثہ پیش آ چکا ہے۔ حضرت نوحؑ 950 سال دعوت دیتے رہے اس عرصے میں صرف اتنے آدمیوں نے بات مانی جو ایک کشتی میں آ گئے تھے۔ میں تو Statistics پڑھا ہوا نہیں آپ خود یا آپ کے تبلیغی ذرا سرجوڑ کے بیٹھیں اور اس علم کی مدد سے یہ معلوم کریں کہ ایک سال میں کتنے آدمیوں نے آپ کی بات مانی ہو گی یا کتنے برسوں میں ایک آدمی مسلمان ہوا ہے۔

ہائے کہاں ہوتے یہ تبلیغی اور حضرت نوحؑ کو Statistics پڑھاتے اور وہ 950 برس کی محنت سے چھوٹ جاتے۔

بہرحال اگر شماریات کی مدد سے ان کی شرح خواندگی نکالیں بھی تو یقیناً اس سے زیادہ نکلے گی۔ لہٰذا مجھے اس مصیبت میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

سوال: صفحہ نمبر 16' 17 اور 21' 24 میں ان کے متعلق معاندانہ رویہ

کیوں۔ جبکہ بریلوی حضرات سے آپ نے افہام و تفہیم میں مفاہمت کی فضا پیدا کی ہے۔

جواب : مذکورہ صفحات میں میرا اسلوب جو آپ کو معاندانہ نظر آتا ہے اس کے متعلق مجھے ذرا یہ بتائیں۔ جو لوگ پوری دلیری اور بے باکی سے اللہ اور رسول کی مخالفت پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں جنھوں نے اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ والی آیت کی شرائط کی مخالفت میں عمر بسر کر دی ہیں جنھوں نے اللہ کے اس حکم کی تعمیل نہ خود کی نہ کسی کو کرنے دی جو قرآن کریم میں 47 دفعہ اللہ نے دیا تو میں کیا ان سے بات کرنے میں یہ اسلوب اختیار کرتا کہ "حضرتِ والا کمترین بڑے ادب سے گزارش کرتا ہے کہ اللہ اور رسول کی مخالفت میں کچھ کمی فرمایئے"۔ اگر آپ کا خیال یہی ہے تو آپ کو بتا دوں کہ مجھ میں اس درجے کی دینی بے غیرتی کی ہمت نہیں ہے رہی بات بریلویوں کی تو بات یہ ہے کہ وہ قرآن و احکام کی تاویل کرتے ہیں تکذیب اور مخالفت نہیں کرتے مگر یہ تو سینہ تان کے خم ٹھونک کے قرآن کی مخالفت کا جذبہ لے کر میدان میں اترتے اور تن من دھن اس میں لگا دیتے ہیں۔ لہٰذا دونوں سے بات کرنے کے اسلوب میں فرق لازمی ہے۔

آخر میں آپ فرماتے ہیں کہ کوئی ایسا طریقہ سوچیے کہ سلسلہ عالیہ کی برکات ان سادہ لوح بیچاروں تک پہنچ جائیں۔

تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ برکات پہنچنے کا ایک اصول ہے اور وہ اصول فطری ہے تاریخ انسانی میں کبھی اس کے خلاف نہیں ہوا کبھی آپ نے یہ بھی سوچا کہ برکات کے اعتبار سے حضور اکرمؐ کا مقام کیا ہے تو کیا یہ برکات ابوجہل تک پہنچیں۔ کیا آپ کے چچا ابوطالب تک پہنچیں۔ اگر نہیں تو کیوں؟ اس لئے کہ یہ معاملہ لینے والے کا ہے دینے والے کا نہیں سمجھنے والے کا ہے سمجھانے والے کا نہیں۔ یہ بتائیں کہ اللہ تعالٰی سے بہتر سمجھانے والا کون ہے۔ تو کیا اللہ تعالٰی کی بات ابلیس کی سمجھ میں آئی مخلوق میں نبی رحمتؐ سے بہتر

سمجھانے والا کوئی ہے؟ اور یقیناً نہیں تو ابوطالب کی سمجھ میں وہ بات آئی۔ مگر حضور اکرمؐ کی برکات حسنؓ کو بصرہ میں صہیبؓ کو روم میں اور بلالؓ کو حبش میں پہنچ گئیں۔

تو کیا ان لوگوں تک سلسلہ عالیہ کی خبر نہیں پہنچی؟ یہ خوب جانتے ہیں اور سلسلہ عالیہ کو اپنا بدترین دشمن سمجھتے ہیں کیونکہ یہاں تو ابتدا بھی ذکر الٰہی سے اور انتہا بھی ذکر الٰہی ہے۔ اور ان کو سب سے زیادہ چڑ ذکر الٰہی سے ہے۔ نبی رحمتؐ سے پوچھا گیا اَیُّ الْاَعْمَالُ اَفْضَلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ قَالَ بِاَنْ تُفَارِقَ الدُّنْیَا وَلِسَانُکَ رَطْبٌ مِّنْ ذِکْرِ اللّٰہ۔ یعنی پوچھا گیا کون سا عمل سب سے اعلیٰ ہے فرمایا دنیا سے جانے لگے تو تیری زبان ذکر الٰہی سے تر ہو یعنی مرتے دم تک ذکر الٰہی کرتا رہے۔

یہ افضل کا لفظ سپرلیٹو ڈگری ہے یعنی سب سے اعلیٰ عمل۔ تو غور کیجئے جس عمل کو حضورﷺ اعلیٰ ترین عمل فرمائیں اسے یہ لوگ بدترین کام سمجھیں تو ان تک سلسلے کی برکات پہنچنے کی کون سی صورت ہو سکتی ہے۔ آخر میں آپ نے حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ رکھا ہے۔

خوب سمجھ لیں کہ حضرت لاہوری ہوں یا کوئی اور بزرگ جو بھی تبلیغی جماعت کی تعریف کرتا ہے یہ اس جماعت کی تعریف ہوتی ہے جس کے نزدیک دین کا علم اور ذکر الٰہی تبلیغ کی روح ہیں۔ اس موجودہ بے روح جماعت کا نقشہ وہی ہے جو شیخ الحدیث کے ارشاد کے مطابق ایک نصیحت آمیز خط میں کھینچا گیا ہے۔ اس کو قابل تعریف سمجھیں تو اللہ و رسول اور قرآن کریم کی توہین لازم آتی ہے۔

آخر میں یہ عرض کروں گا کہ آپ یا آپ کی جماعت میری کتاب میں کسی ایسی بات کی نشاندھی فرمائیں جو میں نے غلط کہی ہو تو میں اس کی اصلاح کے لئے اور برملا معافی مانگنے کے لئے ہر وقت حاضر ہوں۔

سوال و جواب نمبر 6:

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

فتویٰ کے معنی ہیں زندگی کے کسی مسئلہ کے متعلق مذہبی فیصلہ۔ جب اسلام برسراقتدار تھا۔ یہ فیصلہ دینے والا قاضی کہلاتا تھا اور وہ ایسا بااختیار ہوتا تھا کہ اپنے فیصلہ پر عمل کرا کے چھوڑتا تھا۔ جب اسلام محکوم ہو گیا فتویٰ دینے والے کو مفتی کہنے لگے۔ جب مفتی کے فتویٰ کا یہ مقام ہے کہ کوئی کہہ دے "نیلو کہتی ہے" تو لوگ غور سے سنیں گے اور اگر کوئی کہے یہ فتویٰ ہے تو اسے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے گا۔ بلکہ اب تو معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ سپریم کورٹ کے فیصلے کو بھی لوگ پرکاہ کے برابر وقعت نہیں دیتے مگر تقدیر کا قاضی جو فتویٰ دے اس میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ کوئی بال برابر بھی اس سے سرتابی نہیں کر سکتا دیکھ لیجئے شیر کتنا طاقتور جانور ہے کہ اسے جنگل کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔ مگر تقدیر کے قاضی کے سامنے وہ بلی سے بھی زیادہ بے بس ہے۔

تقدیر کے قاضی نے شیر کے لئے فتویٰ دیا کہ وہ گھاس نہیں کھائے گا۔ بھیڑ کے لئے فتویٰ ہیکہ گوشت کھانا حرام ہے بھیڑ بھوکی مر جائے گی گوشت نہیں کھائے گی۔ سورج کو فتویٰ دیا کہ روشنی اور حدت دے کبھی آپ نے پڑھا یا سنا کہ سورج نے ظلمت اور ٹھنڈک تقسیم کی ہو۔ لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ بھی اسی طرح اٹل فیصلہ ہے۔

ضعیفی کو جرم قرار دیا گیا ہے۔ مگر پہلے یہ دیکھنا ہے ضعیفی کہتے کسے ہیں۔ یہ جرم فرد بھی کر سکتا ہے اور قومیں بھی کرتی ہیں اور انجام دونوں کا ایک ہی ہوتا ہے اس لئے اس جرم کی حقیقت معلوم کرنا ضروری ٹھہرا۔

عام طور پر ضعیفی سے مراد بڑھاپا یا جسمانی کمزوری لی جاتی ہے۔ آدمی دبلا پتلا کمزور ہو یا بوڑھا کھوسٹ ہو تو کہتے ہیں بڑا ضعیف ہے۔ مگر ہم نے دیکھا ہے

اور تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ کئی دبلے پتلے لوگوں نے کئی بڑی بڑی طاقتوں اور حوادث کا مقابلہ کیا اور اپنی بہادری کا لوہا منوا کے چھوڑا یہ تاریخ میں جتنے فاتحین گزرے ہیں کیا وہ سب گاما پہلوان ہی تھے۔ محمد بن قاسم' ٹیپو سلطان وغیرہ ایک عام آدمی کا جسم رکھتے تھے۔ مگر انہوں نے تاریخ کا رخ موڑ کے رکھ دیا۔ تو معلوم ہوا ضعیفی سے مراد جسمانی کمزوری نہیں بلکہ کچھ اور ہے وہ کیا ہے؟ آج کی زبان میں بات کروں تو وہ ہے "مورال" نفسیات کی زبان استعمال کروں تو اس کا نام ہے "قوت ارادی" اور اسلام کی اصطلاح استعمال کروں تو وہ ہے " قوت ایمانی" اس کی کمی کا نام ضعیفی ہے اور یہی جرم ہے کیونکہ یہ اختیاری چیز ہے۔ جو بات اختیار سے باہر ہو وہ جرم بن ہی نہیں سکتی۔

اب آپ لفظ مورال پر غور کریں۔ آپ لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ جنگ کے لئے موثر تین چار چیزیں ہوتی ہیں مثلاً" افرادی قوت' سامان' اسلحہ' تکنیک غور کریں تو ایک بڑی فوج ہے۔ ہر سپاہی کے پاس جدید ترین اسلحہ موجود ہے لیکن لبلبی پر انگلی رکھتے ہوئے ہر سپاہی کی انگلی چپٹ جاتی ہے اور وہ لبلبی کو دبانے کی ہمت نہیں رکھتی تو وہ بڑی فوج وہ جدید اسلحہ اور وہ تکنیک کیا کام آئے گی تو معلوم ہوا کہ اصل قوت ان چاروں میں سے کوئی بھی نہیں اصل قوت مورال ہے کہ چاروں اس کی خادم ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ جرم ضعیفی دراصل مورال کی کمزوری کا نام ہے۔

موارل بنتا ہے "اس کی قوت محرکہ کون سی ہے" کہیں تو مورال بلند کرنے کے لئے۔ قوم کی سربلندی کو سامنے لایا جاتا ہے۔ کبھی وطن کی محبت کو کبھی برادری اور کنبہ کو مگر سوال یہ ہے کہ جو شخص قوم یا وطن کے لئے اپنی جان دے گا اسے کیا ملے گا ظاہر ہے کہ اسے کچھ نہیں ملے گا تو مورال کے لئے یہ سارے محرکات مصنوعی ہیں بناوٹی ہیں صرف مسرائز کیا جاتا ہے۔

حقیقت میں مورال بنتا ہے قوت ایمانی سے۔ جتنا ایمان قوی ہو گا اتنا مورال بلند ہو گا۔ وہ کیوں؟ اس لئے کہ ایمان نام ہے نبی رحمت ﷺ پر غیر

متزلزل اعتماد کا۔ جب انہوں نے فرمایا کہ جان قربان کرو اس کے بدلے تمہیں ابدی راحت دائمی عیش اور ہمیشہ کے لئے جنت ملے گی۔ اس بات پر ایسا ایمان کہ وہ اپنے مشاہدہ پر بھی نہ ہو اصل ایمان ہے۔ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے لو کشیف الغطاء ما ازددت یقینا یعنی اگر سارے پردے ہٹا دئے جائیں اور ان دیکھی حقیقتوں کو میں اپنے سامنے دیکھوں تو میرے یقین میں بال برابر بھی اضافہ نہیں ہو گا یہ ہے ایمان کہ نبی رحمت ﷺ نے جو فرمایا اس پر ایسا یقین ہے کہ اس سے آگے یقین کا درجہ ہی نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ جرم ضعیفی کیا ہے؟ مورال کی کمی یعنی ایمان کی کمزوری۔

اب آیئے تاریخ سے پوچھتے ہیں کہ کیا تیرے ریکارڈ میں کوئی ایسی حقیقت موجود ہے کہ صرف قوت ایمانی نے ہر مادی کمی کو پورا کر دکھایا ہو تو تاریخ آواز دیتی ہے کہ آؤ دیکھو۔

سب سے پہلے بدر کے میدان میں آیا۔ وہ 313 ایک طرف جن کو ابھی کل ہی مکے والوں نے مار مار کے گھر سے نکال دیا تھا۔ جن کے پاس چند تلواریں تھیں جن کے بدن پر پورا لباس بھی نہیں تھا جن کے پاس کھانے کو چند کھجوریں تھیں اور مقابلے میں 1000 جوان کیل کانٹے سے لیس مانے ہوئے جنگجو۔ تصادم ہوا کون جیتا جن کے پاس سب کچھ تھا یا جن کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ مگر کیوں؟ اس لئے کہ ان کے پاس صرف قوتِ ایمانی تھی۔ ذرا غور سے سنو۔ اسی جنگ میں ایک صحابی حضرت عکاشہؓ دوڑے ہوئے آئے یارسول اللہ تلوار ٹوٹ گئی ہے۔ سپہ سالار نے پاس پڑی ہوئی کھجور کی ایک شاخ اٹھا کے دے دی۔ لے کر میدان جنگ کی طرف دوڑ پڑے یہ ہے ایمان ہم جیسا کوئی مسلمان ہوتا تو کہتا یارسول اللہ آپ مجھ سے مذاق کیوں کر رہے ہیں۔ لیکن مورال بن چکا تھا کہ یہ ٹہنی وہی کام کرے گی جو تلوار کرتی ہے کیونکہ دینے والے نے اسی غرض سے دی ہے چنانچہ جب میدان میں پہنچتے ہیں دیکھتے ہیں کہ واقعی وہ سچ مچ کی تلوار ہے۔ جبھی تو اقبال کہہ گیا ہے نا ۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اس کے بعد آپ احد، خندق، خیبر، یمامہ، قادسیہ، نہاوند یرموک غرض کسی جنگ کے اعداد و شمار دیکھیں ہر جگہ باطل کی افرادی قوت اور اسلحہ مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ ہے مگر فتح مسلمانوں کو ہوتی ہے۔ تو معلوم ہوا جرم ضعیفی نام ہے ایمان کی کمزوری کا۔

اب تصویر کا دوسرا رخ دیکھئے جب سے مسلمان، ایمان کے لحاظ سے افلاس کا شکار ہونے لگے ان کی پٹائی شروع ہوئی آج کرۂ ارض پر کتنے ارب مسلمان بستے ہیں اور مسلمانوں کی کتنی حکومتیں ہیں مگر کہیں سے کبھی کوئی خیر کی خبر بھی آئی ہے یہ صرف بوسینا فلسطین اور کشمیر کی بات نہیں کوئی جگہ بتا دیجئے جہاں مسلمان باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے کہنے کو ہمارا پاکستان سب سے بڑی اسلامی آزاد سلطنت ہے مگر حقیقت صرف اتنی ہے کہ کل ہم برطانیہ کے غلام تھے آج امریکہ کے غلام ہیں۔ وہ سر پر بیٹھ کے حکومت کرتا تھا۔ یہ گھر بیٹھ کے ریموٹ کنٹرول کے ذریعے حکومت کر رہا ہے۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

☆ ☆ ☆

سوال و جواب نمبر 7- اس عنوان پر ایک اسلامی مذاکرہ ہو رہا ہے۔ آپ مہربانی کر کے اس حدیث کی روشنی میں تقریر لکھ دیں۔

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ

یہ جملہ پڑھ کر ایک عام آدمی اسے کسی دانا کا مقولہ سمجھے گا۔ پھر اس کا ذہن اس کے مفہوم کی طرف جائے گا۔ جونہی وہ رعیت کے لفظ پر پہنچے گا اس کا ذہن حکومت کی طرف منتقل ہو گا۔ کہ رعیت اور حکمران یا بادشاہ لازم ملزوم ہیں۔ پھر وہ راعی کے لفظ سے یہی سمجھے گا کہ جس طرح بھیڑوں کا ایک چرواہا ہوتا ہے۔ اسی طرح رعیت کے لئے ایک حکمران ہوتا ہے۔ جو اس کا انتظام کرتا ہے۔ مسئول کے لفظ سے یہی سمجھے گا کہ رعیت کے ہر فرد کو حکمران کے سامنے جوابدہ ہونا ہوتا ہے اور حکمران ہر فرد سے باز پرس کر سکتا ہے۔

مگر یہی جملہ دین کے حوالے سے نبی رحمت ﷺ کی حدیث کہہ کر سنایا جائے تو ایک مسلمان اس ایک جملے کے مفہوم میں وہ وسعت دیکھے گا کہ اس کی پوری زندگی اور زندگی کا ہر شعبہ اور عمل اس حدیث کی زد میں آتا ہوا دکھائی دے گا مثلاً" سب سے پہلے لفظ کلکم پر اس کی نگاہ اٹکے گی۔ اور وہ سمجھے گا کہ کل سے مراد ہر ایک فرد ہے مگر کم کے لفظ نے اس کے مفہوم میں ایک خصوصیت پیدا کر دی کہ ان افراد سے یہ بات کہی جا رہی ہے جو اپنی آزاد مرضی سے اپنے رب سے ایک عہد کرتے ہوئے کہہ چکے ہیں کہ لا الہ الا اللہ یعنی اے میرے رب میں صرف وہی کروں گا جو تو کہے گا۔ اور محمد رسول اللہ کہہ کر یہ عہد کیا کہ تیری اطاعت اس طریقے سے کروں گا جو محمد رسول اللہ ﷺ نے سکھایا ہے۔ اور صرف زبانی کلامی عہد نہیں کیا بلکہ سوچ سمجھ کے کیا اور عہد کو پورا کرنے کے ارادہ سے عہد کیا۔

اب وہ لفظ راع کے معنی پر غور کرے گا تو اسے محسوس ہو گا کہ اس کا معنی جہاں چرواہا اور حاکم کے ہیں وہاں نگہبان کے بھی ہیں۔ اب وہ سوچے گا کہ ہر مسلمان نگہبان تو ہوا مگر کس کا؟ تو جھٹ لفظ رعیت سامنے آئے گا مگر وہ ایک

عام آدمی کی طرح یہ کہہ کے مطمئن نہیں ہو جائے گا کہ یہ بات حکمرانوں سے تعلق رکھتی ہے بلکہ وہ سوچے گا کہ ہر مسلمان کی رعیت کون سی ہو سکتی ہے۔ اسے محسوس ہو گا کہ رعیت وہی ہوتی ہے جس پر حکمران کا اختیار چلتا ہے تو ہر مسلمان کا اختیار بھی کسی پر تو چلتا ہے مثلاً" اپنی بیوی بچوں پر اگر استاد ہے تو شاگردوں اور اگر ایسا مسلمان ہو جس کے نہ بیوی بچے ہوں نہ استاد ہو تو؟ پھر وہ لفظ کل کی طرف جب پلٹے گا تو اسے محسوس ہو گا کہ ہر مسلمان کے پاس ایک سلطنت موجود ہے اور وہ ہے اس کا وہ جسم گویا جسم کے تمام اعضاء اور اس کی تمام جسمانی اور ذہنی قوتیں اس کی رعیت ہے۔

اب رہی بات کہ ان کے متعلق سوال کیا ہو گا۔ یہاں پہنچ کر مسلمان کو یاد آئے گا کہ اس عقدے کا حل تو میں اللہ کی کتاب میں پڑھ چکا ہوں ارشاد ہے اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُوَادَ کُلُّ اُولٰئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا۔ یعنی یہ پوچھ گچھ ہو گی کہ یہ قوتیں ہم نے تمہیں دی تھیں اور یہ بتا دیا تھا کہ ان سے کیا کام لینا ہے اور کیسے لینا ہے اب بتا تو نے ان قوتوں کو کہاں کھپایا۔ سب سے پہلے سننے کی قوت کو لیجئے۔ حکم مل چکا ہے کہ اس قوت کے استعمال کا صحیح طریقہ ہے کہ میری بات غور سے سنو۔ اپنے دشمن شیطان کی باتوں پر کان نہ دھرو سن کر اس پر عمل کرو۔ اب اگر ایک مسلمان کہے کہ کان میرے اپنے ہیں اور مجھے ان سے گانا سننا ہی پسند ہے لہٰذا میں تو ملکہ ترنم' طاہرہ سید اور مسرت نذیر کے گانے ہی سنا کروں گا۔ اور رعنا شیخ کو دعائیں دیتا رہوں گا کہ اس نے مجھ پر ہی نہیں قوم اور ملک پر احسان کرتے ہوئے اس غذا کا ایسا انتظام کیا ہے کہ 24 گھنٹے یہ میسر آ سکتی ہے۔

اسی طرح دیکھنے کی قوت ہے۔ اس کا صحیح استعمال بھی دینے والے نے بتا دیا کہ اپنی ذات کو دیکھو پھر اس کائنات کو دیکھو پھر میری کتاب کو دیکھو اور میرا بندہ بن کر جینے کا سلیقہ دیکھو۔ اب اگر ایک مسلمان کہے کہ دیکھنے کا عمل تو تاک جھانک سے شروع ہوتا ہے اور اس کی تکمیل ہوتی ہے TV اور سینما دیکھنے سے

اور مسلمان اس قوت کو نہایت بیدردی سے اور پوری ڈھٹائی سے اگر اس قوت کو اسی انداز سے استعمال کرے تو عقل سے پوچھے اس کو اس کا صلہ کس صورت میں ملنا چاہئے۔ تیسری چیز جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے وہ ہے دل اور دل ہے محبت کا محل اور محبت وہ قوت ہے کہ کوئی مادی قوت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی مگر دینے والے نے محبت کا محل بھی بتا دیا کہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ یعنی ایمان کی نشانی یہ ہے کہ جس دل میں ایمان ہو اسے سب سے زیادہ محبت اللہ سے ہوتی ہے۔ اب اگر مسلمان محل میں اللہ کو چھوڑ کر کوئی اور محبت سما گئی تو گویا اس نے دل کو بھی شیطان کے حوالے کر دیا۔

آخر میں لفظ مسئول کا لفظ ساری بات کی جان ہے عام آدمی یہی سمجھے گا کہ جب پوچھنے والا کوئی نہ ہو تو خطرہ کس بات کا دیکھنے والا کوئی نہ ہو تو پوچھ گچھ کون کرے گا۔ اور اگر زندگی کا ماٹو یہ ہو کہ ۔ دنیا کا مزہ لے لو دنیا تمہاری ہے۔ اور اگلی بات یہاں تک پہنچ جائے کہ آدمی برملا کہہ اٹھے ایہہ جہان مٹھا اگلا کس نے ڈٹھا۔ مگر ایک مسلمان جانتا ہے کہ تعلق اس ذات سے ہے جس نے بتا رکھا ہے کہ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ یعنی تم جہاں کہیں بھی ہو اور تمہارے ساتھ ہے۔ اس لئے مسلمان جس حالت میں بھی ہو گا اسے محسوس ہو گا کہ ایک ذات ایسی ہے جو ہر جگہ موجود ہے اور مجھے دیکھ رہی ہے۔

اسی طرح جسم کے تمام اعضاء اور تمام ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں اور قوتیں اللہ کی دی ہوئی ہیں مالک وہی ہے ہمارے پاس تو بطور امانت ہیں اگر امانت میں خیانت کی تو اس کی گرفت سے کوئی چھڑا نہیں سکتا۔

مختصر یہ کہ اس حدیث میں نبی رحمت ﷺ نے مسلمان کو صحیح معنوں میں انسان بننے اور اللہ کا بندہ بن کر جینے کا ڈھنگ سکھا دیا ہے اور مسلمان تو ہر وقت زبان حال سے کہہ رہا ہے۔

چند عنایات تیری ہوں تو گنی بھی جائیں
لطف کا سیل بہاتے تجھے دیکھا ہم نے

سوال و جواب نمبر8- : آپ کا ارسال کردہ اشتہار پڑھا ایک کہاوت یاد آ گئی کہ بیوقوف دوست سے دانا دشمن اچھا ہوتا ہے۔ یہ صاحب پہلی قسم کے ہیں اگر یہ ایسے نہ ہوتے تو یہ سوال چپکے سے کسی مستند عالم دین سے پوچھ لیتے۔ اس اشتہار سے ہو گا یہ کہ بے شمار سادہ لوح مسلمانوں کے دلوں میں طرح طرح کے شکوک پیدا ہوں گے۔

اس میں بنیادی طور پر دو غلط فہمیوں کا تانا بانا تیار کیا گیا ہے پہلی یہ کہ کیا نبی رحمت ﷺ کے عہد میں یہ فرقے تھے اگر تھے تو حضور ﷺ کس فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کے جواب کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ایسا ہی ایک سوال داغ دیا جائے۔ وہ سوال یہ ہے۔

کیا نبی رحمت ﷺ دین کی تعلیم دیتے تھے۔ اگر ایسا ہے تو آپ کون سی کتابیں پڑھاتے تھے۔ کیا یہی کتابیں جو اب دینی مدارس دارالعلوموں میں پڑھائی جاتی ہیں اور یہی علوم جو یہاں پڑھائے جاتے ہیں مثلاً" علم صرف میں صرف پر' حضول اکبری' علم الصیغہ وغیرہ

نحو میں۔ نحویہ' شرح مائۃ عامل کافیہ وغیرہ
منطق میں۔ قطبی' سلم العلوم' شرح تہذیب وغیرہ
فلسفہ میں۔ شمس بازغہ وغیرہ
بلاغت میں۔ مختصر معانی' مطول وغیرہ
فقہ میں۔ شرح وقایہ' کنزو' قدوری وغیرہ
کلام میں۔ شرح عقائد نسفی وغیرہ
تفسیر میں جلالین وغیرہ
حدیث میں صحاح ستہ' طحاوی موطا وغیرہ
میراث میں سراجی وغیرہ
اصول حدیث میں۔ نخبتہ الفکر وغیرہ

اگر حضور ﷺ نے ان میں سے کوئی کتاب نہیں پڑھائی تو آج کیا یہ سب

دین کے خلاف ایک منظم سازش ہے۔

دوسرا سوال اسی کے ساتھ کیا حضورﷺ کے زمانے میں کوئی مفسر تھے اگر تھے تو کون کون سی تفسیریں انہوں نے لکھیں۔ اگر نہیں تو آج تک ہر زبان میں بے شمار تفسیریں جو لکھی گئی ہیں اور ان میں ضرور تھوڑا بہت فرق ہے تو کیا یہ سب بے دینی ہے پھر حضورﷺ کے دور میں حدیث کی کون سی کتاب پڑھائی جاتی تھی اگر کوئی کتاب نہیں تھی تو یہ صحاح ستہ ساری کی ساری بے دینی ہے دوسری غلط فہمی اہل حدیث اور چار فقہی مسلکوں کو فرقہ واریت کہا گیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس بھلے مانس کو معلوم نہیں کہ فرقہ کسے کہتے ہیں۔ لیجئے سنئے

فرقہ کی بنیاد عقیدے پر ہوتی ہے ایک نئے عقیدے سے نیا فرقہ وجود میں آتا ہے۔ اب دیکھئے اسلام کے بنیادی عقائد یہ ہیں۔

ایمان باللہ۔ ایمان بالرسالت' ایمان بالکتب' ایمان بالملائکہ' ایمان بالآخرت۔

اب بتایئے اہل حدیث۔ حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی میں سے کسی گروہ کا ان میں سے کسی میں اختلاف ہے۔ اگر نہیں تو فرقے کیسے بن گئے۔ ان کی حقیقت صرف یہ ہے کہ اہل حدیث نے کہا کہ ہر شخص قرآن و حدیث سے خود مسائل سمجھے کسی ماہر قرآن و حدیث پر اعتماد کی ضرورت نہیں۔ باقی چاروں نے یہ کہا کہ ہر شخص ہر فن کا ماہر نہیں ہوتا مثلاً" کوئی شخص طب کی کتاب پڑھ کے خود اپنا علاج نہیں کرتا بلکہ کوئی ماہر ڈاکٹر تلاش کرتا ہے اس سے علاج کراتا ہے اور ہر ڈاکٹر سے نہیں بلکہ فیملی ڈاکٹر سے لوگ علاج کراتے ہیں اسی طرح ان چار گروہوں نے یہ سمجھا کہ یہ چار شخص عمر بھر قرآن و حدیث پر ریسرچ کرتے رہے ہیں اس لئے ان کے علم اور تقویٰ پر اعتماد کر کے کسی نے ابوحنیفہ کو اپنا فیملی ڈاکٹر بنا لیا کسی نے امام مالک کو کسی نے شافعی کو کسی نے احمد بن حنبل کو اور ہر گروہ نے ان پر اعتماد کیا کہ قرآن و حدیث کو جس طرح یہ سمجھے ہیں ہم

نہیں سمجھے۔ اس لئے ہم انہی سے علاج کرائیں گے معلوم ہوا یہ فرقے نہیں ہیں بلکہ قرآن و حدیث کی مختلف تفسیریں ہیں۔ آپ دیکھتے نہیں کہ ملک کا قانون ایک ہے' ایک عدالت اسی قانون کے تحت ایک آدمی کو پھانسی کی سزا دیتی ہے دوسری عدالت اسے بری کر دیتی ہے۔ کیا ان میں سے پہلے جج کو حکومت کا باغی سمجھا جاتا ہے۔

اب آیئے نمبروار اشتہار کے سوالات پر۔

(1) کیا نبی کریم ﷺ اہل حدیث' حنفی' شافعی' مالکی یا حنبلی تھے؟ یہ سوال اس کی جہالت کا شاہکار ہے۔ رسول کسی کا مطیع نہیں ہوتا مطاع ہوتا ہے۔ پیرو نہیں ہوتا قائد ہوتا ہے۔ استاد ہوتا ہے شاگرد نہیں ہوتا۔ مصلح ہوتا ہے اصلاح کا محتاج نہیں ہوتا۔

(2) اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول نے کتاب و سنت کی پیروی کا حکم دیا ہے اور یہ حضرات اس پیروی کا طریقہ اور سلیقہ سکھاتے ہیں کیا کسی فقیہ نے یہ کہا ہے کہ اللہ و رسول کو چھوڑو میری بات مانو اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو یہ کتاب و سنت کی پیروی ہوئی نہ کہ ان کی۔

(3) یہ سوال بھی پہلے کی طرح جہالت کا شاہکار ہے عیسیٰ علیہ اسلام رسول ہیں اور رسول کسی کا پیرو نہیں ہوتا۔ وہ کتاب و سنت کی پیروی کریں اور پیروی کا طریقہ انہیں خوب آتا ہے اور سب سے اچھا آتا ہے۔ اس لئے کسی سے سیکھنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

(4) اس کا جواب اوپر آگیا ہے۔

(5) اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام مسلمین رکھا ہے اور اللہ کے رسول نے "مسلمین" کا مطلب بتایا ہے اور یہ بتایا کہ کیا کرنے والا مسلم ہوتا ہے۔ اس نے خود حدیث لکھی ہے لیکن اس کا مطلب جانتا نہیں اور برخود غلط آدمی ہے اس لئے جاننے والوں سے پوچھا بھی نہیں۔

سوال نمبر 13 میں اس نے سنن ابی داؤد کی حدیث لکھی ہے کہ

حضور ﷺ نے فرمایا میری امت کے 73 فرقے ہوں گے ان میں سے 72 جہنم میں جائیں گے، آگے جو حضور ﷺ نے فرمایا اسے یہ گول کر گیا۔ سنئے فرمایا۔ کُلُّھُمْ فِی النَّارِ۔ ہمیشہ کے لئے جہنم صرف کافر کا ٹھکانا ہے لہٰذا فرمایا یہ سب کافروں کے فرقے ہوں گے پھر فرمایا اِلَّا مِلَّۃً وَّاحِدَۃً یعنی سوائے ایک ملت کے صحابہ نے پوچھا وہ ایک کون تو حضور ﷺ نے فرمایا مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ۔ یہ ہے مسلم اب سمجھے ما انا علیہ کا مطلب ہے جس روش پر حضور ﷺ چل رہے ہیں اس روش کا نام ہے سنت اس روش پر چلنے والا اہل سنت و اصحابی کا مطلب جس روش پر میرے صحابہ چلتے اور وہ ایک جماعت ہے لہٰذا مسلم وہ جو نبی کریم ﷺ کی سنت پر اور صحابہ کی روش پر چلے۔ گویا حضور ﷺ نے بتایا مسلم وہ ہے جو اہل السنت و الجماعت ہو۔ اور جہاں اسلام ہے وہاں فرقہ نہیں اور جہاں فرقہ ہے وہاں اسلام نہیں اور یہ پانچوں گروہ اہل السنت و الجماعت کہلاتے ہیں اور یہ نام خود حضور ﷺ نے رکھا ہے۔

سوال نمبر 6 اور نمبر 7 کا جواب آ گیا۔ اور نمبر 8 کا جواب بھی نمبر 5 میں آ گیا۔ سوال نمبر 9، 10، 11 ایک ہی بات کا تکرار ہے۔

سب کا ایک ہی جواب ہے کہ دین کا نام اسلام ہے اور اس پر ایمان لانے والوں کا نام اللہ کریم نے مسلمین رکھا اور اس پر چلنے کا طریقہ ما انا علیہ و اصحابی نبی رحمت ﷺ نے بتا کر ان کی شناخت در صفات کے ساتھ کرا دی کہ اہل السنت و الجماعت۔

سوال نمبر 12 جو دین اسلام اور اس پر چلنے کا طریقہ جو حضور ﷺ نے بتایا اس کو نہ مانے تو کافر ہے۔

نمبر 13 کا جواب آ گیا۔

نمبر 14 اور 15 تکرار ہے پہلے سوالات کی۔ نمبر 16، 17 جماعۃ المسلمین کا نام حضور ﷺ نے ما انا علیہ اصحابی یعنی اہل السنت و الجماعت رکھا اور اس جماعت کے امام محمد رسول اللہ ﷺ ہیں ان سے چمٹے رہنے کا حکم ہے۔ نمبر 18،

19 کا جواب نمبر 12 میں آ گیا۔

☆ ☆ ☆

سوال نمبر9:

(1) آج کل کوئی ایسا گھر نہیں جس میں حرام مال کی ملاوٹ نہ ہو۔

(2) رشتہ داروں کے گھر جانا بھی ضروری ہوتا ہے ادھر اسلام کہتا ہے رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات خراب نہ کرو۔ اب آدمی کیا کرے؟

الجواب : اس سوال کا جواب ایک مثال کے ذریعے شاید سمجھنا آسان ہو۔ سنئے فرض کیجئے کسی طاقت نے آپ کو غلاظت کے ایک بہت بڑے تالاب میں دھکیل دیا ہے سوچیں کہ عقل کا ردعمل کیا ہو گا۔ عقلی طور پر دو ردعمل معلوم ہوتے ہیں۔ جن میں ایک آسان ہے دوسرا بڑا مشکل ہے۔ آسان ردعمل یہ ہے کہ آپ خوشی سے پھولے نہ سمائیں اس میں خوب غوطے لگائیں ناچیں گائیں۔ اور سطح پر تیرتی ہوئی غلاظت مزے سے کھائیں اور پیٹ بھر کے کھائیں کہ کیا مزیدار پڈنگ ہے۔ یہ ردعمل ہے تو آسانی مگر کوئی آدمی بقائمی ہوش و حواس اسے اختیار کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا۔ دوسرا رد عمل یہ ہے کہ پوری ہمت سے اس سے باہر نکلنے کی کوشش کریں اس کا منظر اور اس کی بدبو آپ کے لئے سوہان روح بن جائے آپ ہاتھ پاؤں ماریں زیادہ گہرائی آ جائے تو تیرنے لگیں اس طرح آپ کے کپڑے آپ کا جسم غلاظت سے لتھڑ جائے گا ممکن ہے غلاظت کے کچھ چھینٹے آپ کے منہ میں چلے جائیں اور آپ انہیں نگل بھی جائیں مگر اس تالاب سے باہر نکلے بغیر آپ کو ایک لمحہ کے لئے سکون نہ مل سکے۔

یہی حال ہمارا ہے یہودی نظام معیشت نے ہمیں غلاظت کے تالاب میں دھکیل دیا ہے سب سے پہلا ہمارا فرض ہے کہ اس کا احساس تو ہو کہ یہ غلاظت کا تالاب ہے۔ پھر یہ کہ اس سے باہر نکلنے کے لئے ہاتھ پاؤں ماریں۔ یہ نہ ہو کہ جب کپڑے اور بدن غلاظت سے لتھڑ گیا تو اب کیوں نہ اس تالاب ہی کو کوٹھی سمجھنے لگیں۔ اس کوشش میں غلاظت کے کچھ چھینٹے یا ٹکڑے پیٹ میں چلے جائیں تو اس کو غلاظت ہی سمجھیں یہ نہ کہنے لگیں کہ کیا مزیدار بریانی کھائی ہے۔ یہ

رد عمل مشکل ضرور ہے مگر ہر ذی ہوش آدمی یہی اختیار کرنا پسند کرے گا۔ تو صورت یہ تھی کہ ہم حرام کے تالاب میں دھکیلے تو گئے ہیں مگر اس غلاظت سے جتنا بچ سکیں بچیں ہاں جتنا حصہ ہمارے بس کا نہیں طاقت سے باہر ہے اختیار سے باہر ہے اسے بہ امر مجبوری اپناتے تو رہیں لیکن حرام سمجھ کے کیونکہ یہ سمجھے بغیر اس سے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

رہی بات رشتہ داروں کی تو ذرا یہ منظر چشم تصور کے سامنے لائیں ایک جگہ ہیضہ یا طاعون پھیلا ہوا ہے وہاں آپ کے رشتہ دار ہیں کیا آپ شوق سے وہاں جائیں گے؟ کیا ہیضہ کے مریض کے ساتھ مل کر کھانا کھائیں گے؟ بلکہ ایک اور منظر سامنے لائیے ڈاکٹر کہتے ہیں اپنے بچے کو ٹی بی ہو جائے تو نہ اس کے سامنے بیٹھو نہ اسے پیار سے چومو۔ اور ڈاکٹر کی ہدایت پر پورا پور عمل کیا جاتا ہے۔

اس لئے اگر آپ بچنا چاہیں تو رشتہ داروں کے گھر جا کے یہ کہہ سکتے ہیں بھئی یہ تو میرا اپنا گھر ہے مگر میں بیمار ہوں اور ڈاکٹر نے پرہیزی کھانے کی ہدایت کی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں جھوٹ کا شائبہ بھی نہیں ہم سب بیمار ہیں کوئی نیا کوئی پرانا کوئی چھوٹا اور کوئی بڑا اور ہم سب کے ڈاکٹر ہیں محمد رسول اللہ ﷺ آپ نے ہمیں پرہیزی کھانا کھانے کی تلقین ہی نہیں تاکید کر رکھی ہے۔ اس لئے اگر آپ یہ تجویز قبول کر لیں گے تو رشتہ دار آپ سے ہرگز ناراض نہیں ہوں گے۔

پھر یہ سوچئے کہ رشتہ دار راضی ہوں مگر محمد رسول اللہ ناراض ہوں تو یہ بہتر ہے یا یہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ راضی ہوں۔ رشتہ دار راضی ہیں یا ناراض کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

پھر یہ سوال ہے کہ رشتہ داروں سے حسن سلوک کی کیا صرف یہی ایک صورت ہے کہ ان کے ہاں سے کھانا کھایا جائے۔ یا یہ کہ ان کے دکھ سکھ میں ان کی مدد کی جائے۔ اصل بات یہ ہے کہ ۔

جی نہ چاہے تو نبوت کا بھی ارشاد غلط
من کو بھا جائے تو بھانڈوں کی خرافات بجا

اس سے انکار نہیں کہ حرام کی ملاوٹ سے کوئی گھر کوئی فرد بچ نہیں سکتا۔ براہ راست Directly حرام نہ آئے تو بالواسطہ (Indirectly) آئے بغیر رہ نہیں سکتا۔ مگر یہ بھی تو دیکھئے کہ آج کیا خالص دودھ ملنے کا تصور بھی کیا جاتا ہے؟ اہل نظر تو کہتے ہیں کہ جو حال غذاؤں کا ہے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ خالص دودھ تو بھینس کے "کٹے" کو بھی نہیں ملتا۔ تو ہم کیا کرتے ہیں یہی نا! کہ جو گوالہ کم سے کم ملاوٹ کرتا ہے اس سے دودھ لو۔ یہ تو کوئی نہیں کرتا کہ جب خالص دودھ ملتا نہیں تو دودھ کا قصہ ہی چھوڑو بس پانی پیو اور کہتے جاؤ میں خالص دودھ پی رہا ہوں۔

بس اسی پر قیاس کر لیجئے کہ حلال و حرام کے معاملے میں ہمارا رویہ کیا ہونا چاہئے۔ یعنی جب خالص حلال میسر نہیں تو یہ کوشش تو ہونا ہی چاہئے کہ حرام سے بچنے کی پوری پوری کوشش کریں۔ اور یہ کوشش ہو کہ جہاں تک ہو سکے حرام کی آمیزش کم سے کم ہو۔

مصیبت یہ ہے کہ اب ہمارا قومی مزاج یہ بن چکا ہے کہ جب تک حلال روزی میں حرام کی آمیزش نہ ہو لطف ہی نہیں آتا۔ زندگی بے مزہ اور بے کیف معلوم ہوتی ہے۔ بالکل حالت وہ ہو گئی کہ جیسے کوئی مسلسل مدت تک بخار میں مبتلا رہا ہو تو اس کے ذائقے کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ اس کے منہ میں شہد ٹپکاؤ تو وہ تھوک دیتا ہے کہ بہت کڑوا ہے۔

جابجا بڑے بڑے بورڈ لگے ہیں "رشوت لینا جس کا کام ذلیل کمینہ اس کا نام" مگر آپ یہ کہیں کہ جناب ذلیل کمینہ صاحب یہ رشوت لیں تو بخوشی لے گا اور Thank You بھی کہے گا۔ وہ بات پوری ہو گئی کہ ۔

عجب نہیں کہ رہے نیک و بد میں کچھ نہ تمیز
کہ جو بدی ہے وہ سانچے میں ڈھلتی جاتی ہے

ہماری ناؤ کے کھویا وہ ہیں جو ھارس ٹریڈنگ کو عبادت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ ڈنکی ٹریڈنگ ہے پھر قوم بیچاری کہاں جائے۔ جس نے چن چن کے ایسے ذلیلوں کو اپنا رہنما بنایا ہے۔

خود کردہ را علاجے نیست

☆ ☆ ☆

سوال و جواب نمبر10- اکیسویں صدی تشویش کی صدی ہے؟

اس ایوان کی رائے میں اکیسویں صدی تشویش کی صدی ہے۔ مجھے اس سے کامل اتفاق ہے اس کے لئے میرے یہی دلائل ہیں مگر وہ دلائل پیش کرنے سے پہلے یہ دیکھنا پڑے گا کہ اس تشویش کے پیدا ہونے کی وجہ کیا ہے۔ مطلع بالکل صاف ہو چلچلاتی دھوپ ہو تو کسی کو نہ یہ توقع ہوتی ہے نہ تشویش کہ بارش ہونے والی ہے اس لئے جب ایوان کو تشویش ہے تو یقیناً کہیں کالی گھٹا اٹھتی نظر آئی ہو گی جبھی قبل از وقت تشویش ہونے لگی ہے تو وہ کالی گھٹا یہ ہے۔

(1) ابلیس نے اولاد آدم سے انتقام لینے کے لئے آج تک جتنے حربے ایجاد یا استعمال کئے ہیں ان میں سے سب سے کامیاب حربہ جمہوریت کی ایجاد ہے اور یہ وہ لعنت ہے جو آج پوری دنیا میں بسنے والا انسان صرف اپنا نہیں چکا بلکہ سینے سے لگا چکا ہے میخانے اور بتکدے سے' کلب اور بار سے لے کر منبر و محراب تک بھی غلغلہ ہے کہ جمہوریت کی حفاظت ہمارا اولین فرض ہے ذرا اس بی بی جمہوریت کے لچھن ملاحظہ ہوں۔

(الف) جمہوریت کا بنیادی اصول یہ ہے بالغ رائے دہندگی اس کا مطلب یہ ہے کہ بالغ ہوتے ہی آدمی ہر دقیق اور عظیم معاملہ میں حتمی فیصلہ دینے کا اہل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ کسی معاملہ میں فیصلہ دینے کے لئے دو باتوں کا ہونا ضروری ہے مگر یہ فیصلہ دینا کہ فلاں آدمی حکومت کرنے کا اہل ہے۔ اس امر کا مقتضی ہے فیصلہ دینے والا حکومت کرنے کے تقاضوں سے بخوبی واقف ہو پھر اس آدمی کے متعلق بخوبی واقفیت ہو کہ اس میں ان تقاضوں کو پورا کرنے کی اہلیت اور صلاحیت ہے۔ اب بتایئے کیا ہر بالغ میں یہ دونوں باتیں موجود ہوتی ہیں۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو ہر بالغ سے یہ فیصلہ لینا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

پھر بی بی جمہوریت یہ کہتی ہے کہ ایک ڈوم کا فیصلہ اور ایک PHD کا فیصلہ برابر وزن رکھتا ہے۔ ایک بھانڈ کا فیصلہ اور صدر مملکت کا فیصلہ یعنی ووٹ

بالکل برابر ہے۔ ایک چور اور ڈاکو کا فیصلہ اور آئی جی پولیس کا فیصلہ یا ووٹ بالکل برابر ہیں۔ کیا اس سے بڑی حماقت کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آج کا انسان لٹھ لئے عقل کے پیچھے پڑا ہے تو ظاہر ہے کہ جب پوری انسانیت ہی پاگل پن پر لٹو ہو گئی تو تشویش کیوں نہ ہو۔

(ب) بی بی جمہوریت کا دوسرا اصول یہ ہے کہ اکثریت جسے حق کہے وہ حق ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر تین اندھے دن کے 12 بجے کہہ دیں کہ اس وقت کالی رات ہے مگر دو سوانکھے کہیں کہ دن ہے تو اندھوں کی بات ماننی پڑے گی کیونکہ وہ تین ہیں۔ بھلا اس میں کوئی تک ہے۔

قرآن کریم میں 78 مرتبہ اکثر لفظ آیا ہے اور ہر بار کافروں و جاہلوں' فاسقوں اور جرائم پیشہ لوگوں کے لئے آیا ہے اور ایک جگہ تو سات قوموں اور ان کی طرف بھیجے جانے والے پیغمبروں کا ذکر فرما کر فرمایا وَ مَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی بی بی جمہوریت کا فیصلہ یہ ہے کہ سارے رسول غلطی پر تھے ان کی قومیں حق پر تھیں کیونکہ اکثریت اسی طرف تھی۔

دور کیوں جائیے اپنا حال دیکھ لیجئے اکثریت نے جن لوگوں کو اپنا نجات دہندہ انتخاب کر اسمبلیوں میں بھیجا ہے ان کے انسانوں کی طرح بات کرنے کا سلیقہ بھی نہیں وہ زبان کی بجائے کرسیاں پھینک کے بات کرتے ہیں اور ایسے بااصول ہیں کہ چند ٹکوں کی خاطر اپنا ضمیر بیچ دیتے ہیں اور ستم یہ کہ دانشوروں نے اس کا نام ہارس ٹریڈنگ رکھا ہے حالانکہ یہ تو صاف ڈنکی ٹریڈنگ ہے یہ اصول بھی حماقت کا شاہکار ہے۔

(ج) بی بی جمہوریت کا تیسرا اصول یہ ہے کہ اس میں اخلاقی قدریں مستقل نہیں ہوتیں جمہوریت کے امام امریکہ کو دیکھئے 1920ء میں امریکی قانون ساز اسمبلی نے اکثریت کے بل بوتے پر شراب کو ممنوع قرار دیا اور ممانعت سے پہلے دس سال آمادہ کرنے پر لگے۔ 65 ملین ڈالر صرف پمفلٹ وغیرہ پر خرچ ہوئے ممانعت کے بعد 14 برس میں ساڑھے چار ملین پونڈ قانون کے نفاذ پر خرچ

ہوئے اور 1933ء میں اکثریت کی بنیاد پر یہ قانون واپس لے لیا گیا۔ یعنی شراب کی ممانعت نہ رہی۔ یعنی اگر اسمبلی میں 100 میں 51 کہہ دیں کہ زنا عبادت ہے تو وہ عبادت قرار پائے گا۔

اب بتائیے جس معاشرے میں اخلاقی قدریں مستقل نہ ہوں کیا وہ انسانی معاشرہ ہوتا ہے تو پھر تشویش کیوں نہ ہو کہ اکیسویں صدی میں انسان مکمل حیوان بلکہ درندہ بن جائے گا۔

(د) جمہوریت کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اپوزیشن کا وجود ضروری ہے اس کے بغیر جمہوریت پنپ نہیں سکتی۔ اس اصول کی کارستانی اپنے ہاں دیکھ لیجئے۔ ہمیشہ ہوتا یہ ہے کہ اپوزیشن کے سامنے کرنے کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ اقتدار چھینا جائے اور برسراقتدار پارٹی کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ اقتدار کو بچایا جائے اور اسے طول دیا جائے۔ قوم ملک وطن و انسانیت' شرافت جائیں جہنم میں۔

یہ چار اصول دیکھ لیجئے' پھر جمہوریت سے محبت کا اندازہ کیجئے اب بتائیے تشویش کیوں نہ ہو۔

(2) تشویش کی دوسری وجہ یہ ہے کہ آج کا انسان خواہ وہ دنیا کے کسی خطے میں ہو اس کی نفسیات ایک جیسی ہے کہ وہ فرائض اور ذمہ داریوں سے بھاگتا اور حقوق اور عیاشی کے لئے لپکتا ہے۔ اگر عقل سلیم سے کام لیا جائے تو اس اصول زندگی کا نتیجہ تشویش کے بغیر کچھ نہیں یہ جو کروڑوں روپے یہ سبق پڑھانے پر خرچ کئے جاتے ہیں۔ کہ چھوٹا خاندان زندگی آسان۔ یہ اس اصول زندگی کی پیداوار ہے وہ وقت آنے والا ہے کہ بھکاری صدائیں دیں گے شالا بچے مرن نئے تھوڑے ہو کے سوکھے رہو۔ دیو کچھ اللہ دے نام تے۔

(3) تشویش کی تیسری وجہ یہ ہے کہ آج کا انسان حد درجے کی خود فریبی اور ابلہ فریبی کا شکار ہے۔ اور اس کے لئے دانشورانہ کمال اپنے عروج کو پہنچ چکا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قدریں بالکل بدل گئی ہیں مثلاً" پہلے زمانے میں

کنجری کا لفظ بڑی نفرت کا حامل ہوتا تھا۔ اب یہ جنس ختم ہو گئی ہے فلم سٹار اور رقاصائیں آ گئی ہیں اسی طرح ڈوم کا لفظ گھٹیا سمجھا جاتا تھا تہذیبی ترقی سے وہ ختم ہوا گلوکار اور موسیقار آ گئے اور یہ اتنا باعزت پیشہ ہے کہ سادات کو بھی اپنا وقار بڑھانے کے لئے گلوکار اور موسیقار بننے پر فخر ہونے لگا۔

اسی طرح بھانڈ اور نقلئے کا لفظ سن کر ہی کراہت محسوس ہوتی تھی اب ان کا وجود ختم ہوا اور اداکار میدان میں آئے تو لوگ اس پیشہ کی طرف لپکنے لگے۔

ایسے ہی حالات دیکھ کر ایک قدامت پرست اور رجعت پسند شاعر نے کہا تھا کہ ؎

عجب نہیں کہ رہے نیک و بد میں کچھ نہ تمیز
کہ جو بدی ہے وہ سانچے میں ڈھلتی جاتی ہے

اور جب نیک و بد میں تمیز نہ رہے تو انسان اور حیوان میں فرق کیا رہا۔ لہٰذا اکیسویں صدی واقعی تشویش کی صدی ہے۔

سوال و جواب نمبر 11- مسلسل ناکامی کی وجہ سے پریشان ہونا کوئی حیرت کی بات نہیں ہے مگر اس کا حل موجود ہے لیکن اس سے پہلے آپ سے ایک دو سوال ہیں :-

(1) ایک ماں کے ہاتھ میں ایک خوبصورت چاقو ہے جو بڑا تیز دھار کا ہے۔ اس کا ایک پیارا سا تین سال کا بچہ وہ چاقو مانگتا ہے۔ ماں نہیں دیتی ضد کرتا ہے اسے ایک اور خوبصورت کھلونا دے دیتی ہے۔ بتایئے وہ بچہ اگر یہ کہہ دے کہ ماں بڑی ظالم ہے اتنی منت کی رویا دھویا مگر ماں نے چاقو نہیں دیا۔ کہئے اس بچے کی شکایت درست ہے یا اس ماں کا رویہ؟

(2) ایک ماں کے ہاتھ میں نہایت خوبصورت شیشی ہے جس میں زہر ہے۔ اس کا ایک پیارا بچہ اس شیشی پر لٹو ہو جاتا ہے ماں سے مانگتا ہے۔ وہ نہیں دیتی۔ کہئے ماں کا رویہ اور فیصلہ درست ہے یا نہیں۔

(3) ایک درخت ازخود زمین سے اگتا بڑھتا اور پھل دیتا ہے کیا اس کے لئے کوئی لائحہ عمل ہے یا خود ہی یہ سارا کام ہوتا رہتا ہے۔

اب آتے ہیں آپ کے سوالوں پر مگر اس سے پہلے یہ دل کی گہرائیوں سے ماننا ہو گا کہ اللہ سے بڑھ کر سچی بات اور نبی رحمت ﷺ سے بڑھ کر مخلوق میں رحیم شفیق کوئی نہیں پھر یہ کہ اللہ پاک کی ایک صفت ہے حکیم یعنی اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

اس کے مقابلے میں بندہ کی عقل ناقص' سوچ ناقص اس لئے وہ جو کچھ مانگتا ہے اپنی عقل اور سوچ کے مطابق لیکن اللہ پاک رحیم و کریم بھی ہے اور حکیم بھی اس لئے ہر مانگنے والے کو دیتا ہے لیکن وہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ کیا دینا ہے؟ کب دینا ہے؟ کتنا دینا ہے؟ کیسے دینا ہے اور کس ذریعہ سے دینا ہے؟ اس لئے وہ بندہ ہے اور واقعی بندہ جو اپنے خالق کے فیصلے پر راضی ہو۔

دور کیوں جائیں ٹانگ پر ایک پھوڑا نکلتا ہے ڈاکٹر کہتا ہے ٹانگ ہی کاٹنی پڑے گی کیا ہم ڈاکٹر کے فیصلے پر مطمئن نہیں ہوتے۔ بلکہ فیس بھی دیتے ہیں۔

شکرگزار بھی ہوتے ہیں اور ٹانگ بھی کٹواتے ہیں کیوں؟ اس لئے کہ ہمیں ڈاکٹر کی مہارت فن اور فیصلے پر اعتماد ہوتا ہے۔ اگر اسی اعتماد کا رخ اللہ کریم کی طرف ہو جائے تو انسان کبھی پریشان نہیں ہوتا۔

یاد رکھئے! زندگی کے دو اصول ہیں ایک ہے اصول تفویض یعنی اپنا فرض ادا کرنا نتیجہ اللہ کے سپرد کرنا اور جو نتیجہ نکلے صبر و شکر کے ساتھ اس کو قبول کرنا اس اصول کا ماحصل اطمینان اور سکون ہے۔

دوسرا ہے اصول تجویز۔ یعنی یوں ہونا چاہئے یوں نہیں ہونا چاہئے۔ ایسا کیوں ہوا۔ ایسا کیوں نہیں ہوا اس اصول کا نتیجہ ہے پریشانی' کڑھنا' رونا دھونا اور بس یعنی پہلا اصول ہے بندہ بننا اور دوسرا ہے خدا بننا۔ کیونکہ جو چاہے وہ ہو یہ صرف مدبر کائنات کا منصب ہے۔ اس لئے بندہ جب خدا بننا چاہتا ہے تو اسے پریشانی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔

کسی کے گھر کو آگ لگانے کی کبھی نہ سوچئے۔ کیونکہ فیصلے تو اوپر ہوتے ہیں یہ صرف لاگو ہوتے ہیں ایک لطیفہ سنئے ایک اللہ مست فقیر ہر وقت کہتا رہتا ہے جو کچھ کرتا ہے وہی کرتا ہے۔ کسی مسخرے نے تنگ آکر ایک روز پیچھے سے ایک دھپ رسید کیا فقیر نے مڑ کر دیکھا وہ کہنے لگا کیا دیکھتا ہے جو کچھ کرتا ہے اللہ کرتا ہے۔ فقیر کہنے لگا یہ میں خوب جانتا ہوں میں نے صرف دیکھا ہے کہ اس نے مکالا کس کے منہ پر ملا ہے۔ لہٰذا کرنے والے تو منہ پر مکالا کرتے ہیں فیصلہ اسی کا ہوتا ہے۔

بخشش واقعی وہی کرتا ہے اور جس کی چاہتا ہے کرتا ہے مگر اس کے چاہنے کا کوئی اصول اور کوئی فیصلہ ہے جو وہ خود جانتا ہے۔ بندہ کا کام صرف حکم ماننا اور محنت کرنا ہے۔ یہی تو بندے کا امتحان ہے اگر وہ پرچہ پہلے ہی آؤٹ کر دے تو امتحان کاہے کا ہوا۔ ایک بات اور سمجھ لیجئے۔

اللہ کے بنک میں ہر انسان کا اکاؤنٹ کھلا ہے مومن ہو یا کافر' نیک ہو یا بد' البتہ فرق اتنا ہے کہ کافر کا صرف Current Account ہے۔ اسے اپنی

نیکیوں کا بدلہ اسی دنیا میں چکا دیا جاتا ہے۔

مومن کے تین اکاؤنٹس میں (1) Current Account (2) Saving Account (3) Fixed Deposit تینوں اکاؤنٹ چلتے ہیں۔ بڑا اکاؤنٹ Fixed Deposit والا ہے اس لئے اس کو اپنی نیکیوں کا بڑا بدلہ فارن ایکسچینج کی صورت میں وہاں ملے گا۔ کتنا سادہ ہے وہ انسان جو انسانوں کے بنکوں میں Fixed Deposit اکاؤنٹ پر اعتماد رکھے لیکن اپنے خالق پر اعتماد نہ ہو۔ اسی لئے یہ تضاد نہیں بالکل قانون کے مطابق ہوتا ہے اب آپ کو دو کام کرنے ہیں۔

(1) بڑا کام دیانتداری اور محنت سے اپنا فرض ادا کرنا ہے۔ یہاں پر حد ختم ہوتی ہے آگے اللہ کریم کی حد شروع ہوتی ہے نتیجہ نکالنا۔ میں کون ہوتا ہوں جو اسکی حد میں قدم رکھوں۔ وہ جانے اس کا کام۔

(2) یہ مراقبہ کیا کریں کہ جب اللہ کریم نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَؤُفٌ رَّحِیْمٌ تو میرے ساتھ اس کا معاملہ یقیناً رحمت ورافت کا ہے۔ اگر میری پسند کا نتیجہ نہیں نکلا تو یقیناً اس میں کوئی بہتری ہے اور میرا فائدہ ہے۔

علماء سوء کے خلاف بات کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جو باتیں وہ غلط بتاتے یا جو کام غلط کرتے ہیں عوام کو اس سے آگاہ کیا جائے تاکہ وہ بچ جائیں دوسرا یہ کہ اگر ہمت اور علم ہو تو علماء کو خود حق سمجھایئے یہ دونوں کام ثواب کے ہیں۔ صرف غصہ نکالنا ثواب کا کام نہیں۔

سوال و جواب نمبر12- آپ کا حال یہ ہے کہ آ بیل مجھے مار۔ آپ کہتے ہیں ہمارے گاؤں میں الصلوۃ والسلام..... کے بارے میں اختلاف ہے میں کیا کروں؟

سوال یہ ہے کہ کیا دنیا میں یا قیامت میں آپ سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے گاؤں میں اختلاف کیوں تھا؟ اگر نہیں تو آپ اس غم میں کیوں گھلے جا رہے ہیں کہ اختلاف ہے۔ نہ آپ عالم نہ مفتی نہ تھانیدار۔ آپ کی کوئی ذمہ داری نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ بات سمجھنا چاہتے ہیں یا گاؤں والوں سے الجھنے اور مناظرہ کرنے کے لئے سامان چاہتے ہیں۔ اگر دوسری بات ہے تو یہ خیال ہی دل سے نکال دیجئے اور اگر پہلی بات ہے تو سمجھئے۔

تین باتیں ہیں ایک ہے دین ایک ہے رواج اور ایک ہے مزہ اور سواد۔ بھلے مانسی یہ ہے کہ آدمی دین کو دین کہئے۔ رواج کو رواج سمجھے اور سواد کو سواد کہے یہ نہ ہو کہ ناچنے میں سواد آتا ہے تو آدمی کہے کہ ناچنا دین ہے۔

دین کیا ہے؟ جو بات نبی رحمت ﷺ نے فرمائی اور صحابہؓ نے اس پر عمل کیا بس وہ دین ہے۔ جو حضور ﷺ نے فرمایا نہیں یا صحابہؓ نے کیا نہیں وہ دین نہیں ہے لہٰذا اس کام کے کرنے کا نہ ثواب نہ اللہ و رسولؐ راضی ہوتے ہیں۔

دوسری بات ذہن میں رکھئے کہ الصلوۃ والسلام کہیں بھی پڑھا نہیں جاتا ہر جگہ گایا جاتا ہے۔ اس لئے اس سلسلے میں پڑھنے کا لفظ کبھی استعمال نہ کیجئے گانے کا لفظ استعمال کیا کریں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا نبی رحمت ﷺ نے یہ گانے کا حکم دیا ہے کیا صحابہؓ یہ گایا کرتے تھے۔ اگر اس کا ثبوت مل جائے تو ضرور گائیں۔ مجھے تو اس کا ثبوت پوری تاریخ سے کہیں نہیں ملا۔

بس قرآن کریم میں ملتا ہے کہ جو لوگ نبی رحمت ﷺ کے گھر سے باہر کھڑے حضور ﷺ کو آواز دیتے ہیں' پکارتے ہیں وہ پرلے درجے کے احمق

ہیں۔ اور یہ انتہائی درجے کی گستاخی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حضور ﷺ کے گھر سے باہر کھڑے ہو کر پکارنا تو گستاخی ہوئی تو چیچا وطنی سے پکارنا ثواب ہو گا۔

آپ لکھتے ہیں ان کا خیال ہے کہ حضور ﷺ ہر جگہ موجود ہیں۔ انکا یہ خیال بالکل نہیں ہے بھلا کیسے؟ آپ کے پاس ایک دوست موجود ہے آپ اسے سلام کہنا چاہتے ہیں آپ کیا کریں گے؟ کیا آرام سے آہستہ سے اسے السلام علیکم کہیں گے یا دوڑ کے لاؤڈ سپیکر کے پاس جا کر پورے زور سے کہیں گے بھائی صاحب السلام علیکم۔ ظاہر ہے کہ آپ پہلی صورت اختیار کریں گے۔ اسی طرح اگر ان کا خیال ہو تا کہ حضور ﷺ ہر جگہ موجود ہیں تو کیا لاؤڈ سپیکر پر محمد رفیع بن کر گا گا کے حضور ﷺ کو سلام کہتے اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ حضور ﷺ کو سنانا نہیں چاہتے بلکہ خود سواد لینا اور اپنی ٹوہر بنا کر لوگوں سے واہ واہ لینے کے لئے گاتے ہیں آپ نے شاید نہ دیکھا ہو۔ بازار میں نعتوں کی کتابیں ملتی ہیں ہر نعت کے شروع میں لکھا ہو تا ہے کہ فلاں فلمی گانے کی طرز پر گائی جاتی ہے۔ لوگ اللہ و رسولؐ کے ساتھ چار سو بیسی کرتے ہیں مزہ لیتے ہیں فلمی گانے کا اور نام لیتے ہیں نعت کا یہی حال صلوۃ وسلام گانے کا ہے۔

اس لئے آپ انہیں گانے دیں سواد لیں مزے کریں۔

(1) یہ عشق رسولؐ اور نعتیں گانے کا موسم تب آیا ہے جب لاؤڈ سپیکر آیا۔

(2) ذکر اتنا کرائیں جتنا وجود برداشت کرے اور نشاط فرحت باقی رہے۔ خیال ٹوٹے تو پھر جوڑ لیا کریں۔

(3) آپ کا فرض کہنا ہے۔ نماز پڑھوانا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ اپنی حد سے آگے نہ بڑھیں بس کہتے رہیں۔

(4) جماعت مل جانے کا یقین ہو تو پہلے سنتیں فجر کی پڑھ لینی چاہئیں۔

☆ ☆ ☆

سوال و جواب نمبر 13- آپ کا ارسال کردہ ہفت روزہ صدائے امن کا شمارہ 16، 15 آج موصول ہوا۔ پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ بلکہ کئی خوشیاں جمع ہو گئیں مثلاً"

(1) آپ نے پہلے صفحے کا آغاز تنظیم الاخوان کے امیر حضرت مولانا محمد اکرم صاحب کے خطاب سے کیا اور چھ کالمی سرخی جمائی۔

(2) اسی صفحے پر الاخوان کے جلسہ کا فوٹو بھی دیا۔

(3) اس کے اندر "الاخوان" میں شمولیت کی دعوت اور اغراض و مقاصد کا پرچہ بھی ملا۔

(4) صفحہ نمبر 3 پر اقوال زرین میں حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کا قول پڑھ کر نہایت سرور آیا۔ کہ "جب غیر محرم پر نظر پڑے تو نظر بند کر لے تاکہ ثواب حاصل کرے۔" پلٹ کر جو دوسرے صفحے پر نگاہ پڑی تو پرستان کا سماں سامنے آیا۔ ریما' کویتا' شاہدہ منی' گوری' شپنا' سیمی' رانی' دیبا وغیرہ کی حیات جاوداں کے مختصر خاکے گویا کوزے میں دریا بند اور سات عدد مکشوفات کی تصاویر جو اسلامی جمہوریہ پاکستان کی اسلامی ثقافت کی نمائندگی کرنے والی اور اسلام پاکستان کی نمائندگی کرنے والی "خواتین" ہیں۔ یہ دیکھ کر عجیب مخمصے میں پڑ گیا کہ "غیر محرم" پر نظر پڑے تو آنکھیں بند کر لے یعنی غیر محرم کی تصاویر پر نظر پڑے تو ٹکٹکی باندھ کر دیکھ تاکہ ثواب کے انبار لگ جائیں۔ یا تو یہ سارا کنبہ غیر محرم نہیں یا غیر محرم کی تصاویر دیکھنا بلکہ سینے سے لگائے رکھنا بہت بڑا ثواب کا کام ہے۔ ہائے قوم اور قوم کے مالی

ع ہائے ان مالیوں نے باغ اجاڑا اپنا

یہ تضاد : زندگی کے ہر شعبے میں تضاد۔ زبان پر اسلام کی محبت دل میں اسلام سے نفرت۔ اور عمل کا رشتہ دل سے ہے۔ زبان سے نہیں۔

"الاخوان" میں شمولیت کی دعوت اور بے حیا عورتوں کی تصویریں

والہانہ اور نیاز مندانہ انداز میں؟ لسان العصریاد آ گئے

اس کی باتوں سے تو نے اسے سمجھا خضر
اس کے پاؤں کو تو دیکھو کہ کدھر جاتے ہیں

یوں لگتا ہے اس ملک کے ذرائع ابلاغ اور پریس میں کامل طور پر ہم آہنگی پائی جاتی ہے ریڈیو' ٹی وی اور پریس تینوں کا مقصد ایک ہے کہ مسلمانوں کے دلوں سے محمد عربی ﷺ سے عقیدت' محبت اور اطاعت کا جذبہ کھرچ کے رکھ دیا جائے۔ اور اس کے ذرائع دو ہیں۔ اول یہ کہ جو بات' جو کام' جو چیز نبی رحمت ﷺ کو سخت ناپسند ہے اور اس پر حضور ﷺ تین حرف بھیجتے ہیں وہ اس طرح بنا سنوار کر پیش کی جائے کہ دیکھنے سننے والا اس پر فریفتہ ہو جائے اور اس طرح غیر شعوری طور پر حضور ﷺ سے نفرت ہونے لگے۔

دیکھ لیجئے شیطانی کینہ کی جو تصویریں آپ نے دی ہیں۔ ایسی صاف کہ ایک ایک بال نظر آئے اور ایسی دلکش کہ بس آدمی دیکھتا ہی چلا جائے یعنی

زفرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

اور ساتھ ہی الاخوان کے جلسے کی تصویر دیکھیں۔ کیا مولانا کا منہ سر آپ ڈھونڈ سکتے ہیں کیا آپ نے مولانا اور آفتاب صاحب کو کبھی دیکھا ہے کیا ان کو دیکھ کر وہی تاثر پیدا ہوتا ہے جو ان کی تصویریں دیکھ کر پیدا ہوتا ہے۔

دوم یہ کہ جو بات جو کام اور جو چیز محمد عربی ﷺ کو پسند ہو اس کو ایسے بھونڈے طریقے سے پیش کیا جائے کہ دیکھنے والا تیوری چڑھاتا ہوا آنکھیں میچ لے اور سننے والا کانوں میں انگلیاں ٹھونس لے۔

(3) آزادی کا ایک فائدہ یہ ہوا ہے کہ وہ جو دور غلامی میں ایک مخلوق ملتی تھی' ڈوم' بھانڈ' کارڈنت اور مجرا دکھانے والی کنجریاں وہ تو ایسی غائب ہوئیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ آزادی کے بعد ایک نئی مخلوق منصہ شہود پر آئی ہے۔ گلوکارائیں' اداکارائیں' فنکارائیں اور رقاصائیں الفاظ دیکھئے اور ان کا

صوتی تاثر دیکھئے۔ بالکل یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نے کہا تھا کہ عرب میں گدھا سرے سے پایا ہی نہیں جاتا۔ البتہ وہاں حمار پایا جاتا ہے۔

بہرحال اللہ آپ کا بھلا کرے میں آپ کا بڑا ممنون ہوں ایک بات میرے لئے معمہ بن گئی ہے۔ لگتا یوں ہے کہ آپ الاخوان کے رکن ہیں اگر نہیں تو متفق ضرور ہیں۔ اگر ایسا ہے معلوم ہوتا ہے آپ نے الاخوان کو سمجھا ہی نہیں۔ الاخوان کی دعوت نہایت مختصر ہے۔ اپنے آپ پر اسلام نافذ کرو۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ اپنے وجود پر اپنی سوچ پر اپنے عمل پر' اپنی معیشت پر اپنی سیاست پر اپنی پسند و ناپسند کے معیار پر اسلام نافذ کرو اس پر آپ تنہائی میں ضرور غور کریں۔

سوال و جواب نمبر 14- آپ کا نامہ نامی جو بیک وقت کئی تشنگان محبت کے لئے تھا۔ ہم بھی پانچوں سواروں میں شامل تھے۔ از اول تا آخر پڑھا اور بڑی مشکل سے پڑھا کیونکہ وہ پٹواریانہ نہیں بلکہ گرداورانہ تحریر تھی۔ مگر اس مشقت کا معاوضہ نقد مل گیا کہ جب اس کی تلاوت ختم کی تو بے اختیار زبان سے نکلا

ے جزاک اللہ کہ چشم باز کردی

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ وہ خط تمام تر روداد سفر تھی جس سے آپ کے دو اوصاف نمایاں معلوم ہوتے تھے ایک یہ آپ بڑے محتاط ہیں دوسرا یہ کہ آپ بہت سیانے ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ

(1) آپ جب جہاز میں بیٹھے تو حکم ملا کہ بیلٹ باندھ لو۔ اس کی غرض صرف یہ ہوتی ہے کہ جہاز کسی ایسے خطے میں پہنچ جائے جہاں ہوا کا دباؤ کم ہو تو جہاز جھٹکے مارتا ہے اور پرواز ناہموار ہو جاتی ہے اور خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں " تھن نہ بھج" جائے اس سے زیادہ اس کی کوئی افادیت نہیں ہوتی تو آپ بڑے محتاط نکلے کہ بیلٹ باندھنے کی فکر دامن گیر ہوئی۔ پھر آپ نے علم کے زور سے اپنا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ آپ کو یہ فن نہیں آتا اور نہ آنے کا علاج پوچھنا ہوتا ہے۔ مگر اس سے آپ نے ہمسفر پہ نگاہ کی تو قیافہ سے بھانپ لیا کہ یہ اہل فن ضرور ہے آپ نے اس سے طریقہ پوچھا اور کوئی عار محسوس نہ کی اور نہ ہی انا پر ٹھیس لگی اس سے ثابت ہوا کہ آپ بڑے سیانے ہیں۔ میں نے اس آئینہ میں اپنے آپ کو دیکھا تو محسوس ہوا کہ میں غیر محتاط بھی ہوں اور جھلا بھی ہوں۔ وہ یوں کہ سفر آخرت کے لئے جس احتیاط اور جن پیش بندیوں کی ضرورت ہے میں ان کو اختیار کرنے کا طریقہ نہیں جانتا اور یہ بخوبی جانتا ہوں کہ اس فن کا ماہر کون ہے مگر پوچھنے میں عار سمجھتا ہوں اور فرعونیت سے کام لیتے ہوئے جو جی میں آئے کر لیتا ہوں خود ہی مفتی بھی بن جاتا ہوں خود ہی مجتہد بھی اور اس سے خطرہ صرف "تھن بھجنے" کا نہیں ہوتا بلکہ ستیاناس ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ میں بہت جھلا ہوں۔ مجھے آپ کے نقش قدم پر چلنا چاہئے۔

(2) پھر آپ کے سامنے کھانا آ گیا۔ اور آپ کو دو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اول یہ جاننے کی ضرورت محسوس کی کہ یہ کیا ہے پھر یہ کہ اس کے کھانے کا سلیقہ کیا ہے اور ترتیب رتبی کیا ہے۔ آپ نے پھر ایک اجنبی ساتھی سے پوچھا اور نہ عار محسوس ہوئی نہ شک ہوا کہ نہ جانے یہ جانتا ہے یا میری طرح ہے۔

اس کے مقابلے میں، میں جب اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ میرے سامنے ہر طرح کی غذائیں اور کھانے آتے ہیں مگر میں یہ نہ جانتے ہوئے کہ ان میں سے کون سا حلال ہے کون سا حرام ہے کون سا مشتبہ ہے۔ بس اپنی عقل سے اور اس عقل سے جسے عقل کہنا ہی بے عقلی ہے خود فیصلہ کر لیتا ہوں اور جاننے والوں سے پوچھنے میں عار رکھتا ہوں کہ میں کوئی کسی سے کم عالم ہوں۔ دیکھ لیجئے کتنا جھلا پن ہے۔

(3) پھر آپ کی انا نے جو انگڑائی لی تو آپ نے ایک جگہ انگلی رکھ کے دبایا "پڑچ" ہوئی اور آپ کے کپڑے اور چہرہ ایسا ہو گیا جیسے چپس والا فرش ہوتا ہے۔ اب آپ بھونچکے رہ گئے تو ساتھی نے آپ کو ٹشو پیپر استعمال کرنے کی راہ دکھائی اور آپ نے کھٹ سے داغ دھبے صاف کرنے شروع کر دیئے۔ اس کے مقابلے میں میرا حال یہ ہے کہ میں اس علم کے غرور پر ایسی کئی نادانیاں کر بیٹھتا ہوں جن سے اکثر اوقات "پڑچ" ہوتی ہے اور قلب و روح پر داغ دھبوں کا جمعہ بازار لگ جاتا ہے مگر اول تو محسوس ہی نہیں ہوتا حالانکہ غالب نے کہا ہے نا۔

داغ دل گر نظر نہیں آتا
بو بھی اے چارہ گر نہیں آتی

میں نے اس میں تھوڑی سی تبدیلی کر کے اپنے حسب حال بنایا ہے۔

داغ دل گر نظر نہیں آتا

بو بھی اسے بے خبر نہیں آتی

یعنی چشم بصیرت نہ ہونے سے گناہ کے وہ داغ اگر نظر نہیں آتے تو ان کی نحوست جو روزمرہ زندگی کے کاروبار پر پڑتی ہے وہ بھی محسوس نہیں ہوتی اور لطف یہ کہ عظیم ساتھی، مربی، مزکی نے پیشگی بتا دیا تھا کہ یوں اگر تمہاری حماقت سے "پرچ" ہو جائے تو توبہ کا ٹشو پیپر استعمال کیا کرو یہ ایسا کاری گری سے بنایا ہوا ہے کہ داغ دھبے کا نشان تک نہیں دیتا چنانچہ بتانے والے نے ضمانت دے رکھی ہے کہ۔

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ

ترجمہ: گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہی ہے کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ میں صرف جھلا ہی نہیں ہوں اپنے ازلی دشمن شیطان کا شکار ہوں اور اس کی خبر تک نہیں۔

(4) پھر آپ نے لیٹرین میں داخل ہو کر جو محسوس کیا کہ "کشبوئی دے حلے"۔ تو آپ حیران ہو گئے کہ اس گندی جگہ یو۔ڈی کلون کی عطر فشانی کیسے ممکن ہوئی مگر آپ صرف حیران ہو کر رہ گئے اور بس

اس کے مقابلے میں میرا یہ حال کہ محسن کائنات نے مزے سے جینے کا ڈھنگ سکھانے کے لئے یہاں تک بتا دیا کہ تم جب لیٹرین میں جاؤ تو خوشبو کے جھونکے ساتھ لیتے جاؤ وہ یوں کہ جب داخل ہو تو پڑھو اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَ الْخَبَائِثِ ترجمہ: اے اللہ میں برائیوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور بایاں پاؤں اندر رکھو تو جب تک تم وہاں بیٹھو گے وہ وقت عبادت میں گزارا ہوا لکھا جائے گا۔ چنانچہ جن لوگوں سے محسن انسانیت سے۔ ان کو تو یہ خوشبو ایسی محسوس ہوتی ہے کہ کہتے ہیں کہ "سنت کے مطابق بیت الخلا میں جانا۔ خلاف سنت نفل پڑھنے سے بہتر ہے۔" ہوئی نا بات۔ اگر میں ایسا جھلا ہوں کہ کبھی لیٹرین کو خوشبودار بنانے کی سوجھی ہی نہیں۔

مختصر یہ کہ آپ نے مجھے جگا دیا کہ آئندہ کبھی یہ حماقت نہ کروں کہ اپنے

ناقص علم پر کامل اعتماد کر کے اہل علم اور اہل دل سے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لوں اور جاننے والوں سے پوچھنے میں عار نہ سمجھوں اور جو وہ بتائیں اس پر عمل پیرا ہونے میں یہ نہ سمجھوں کہ اگر ایسا کروں گا تو میری انسلٹ ہو گی۔ بہرحال آپ نے خط کیا لکھا مجھے تو آپ نے انسان بنا دیا۔

سوال و جواب نمبر 15- ٹیچر کے ساتھ بحث کرنا مناسب نہیں ہاں بات کو سمجھنے کے لئے دلائل دینا اور دلائل مانگنا تعلیم کا حصہ ہے۔ آیئے ٹیچر یا آپ کی ٹیچر کے تین سوال ہیں نہیں بلکہ تین فتوے ہیں جو ان کی مجتہدانہ بصیرت کے شاہکار ہیں۔

(1) عورت اور مرد اسلامی نقطہ نگاہ سے برابر ہیں۔
(2) عورت کے حکمران نہ ہونے کی قرآن و حدیث میں کوئی ممانعت نہیں۔
(3) عورت کے لئے چہرے اور ہاتھ کا پردہ نہیں ہے۔

اس قسم کے فتاویٰ کی آج کل بہتات ہے اور اس کی ایک وجہ ہے اس کو سمجھنے کے لئے اپنے روزمرہ کے حالات پر ایک نگاہ ڈالنے کی ضرورت ہے خواہ وہ نکتہ غلط انداز ہی کیوں نہ ہو۔ ہمارے معاشرے میں ہر فرد یہ جانتا ہے کہ آدمی بیمار پڑ جائے تو ڈاکٹر سے علاج کرانا چاہئے۔ خواہ وہ بیمار انگریزی اردو پڑھا ہوا ہو میٹریا میڈیکا یا قرا بادین قادری خوب سمجھ سکتا ہو مگر علاج ڈاکٹر سے کرائے گا اور ڈاکٹر جو کہہ دے اس کو بلاچون و چرا قبول کرے گا کیونکہ جان بھی پیاری ہے اسی طرح زندگی کے تمام معاملات میں اصول یہ ہے کہ فن کی بات ماہر فن سے پوچھو اور جو وہ بتا دے بلاچون و چرا قبول کرو۔ مگر دین ایسا شعبہ ہے کہ اس میں ہر پڑھا لکھا آدمی اپنے آپ کو مجتہد اور مفتی سمجھتا ہے بلکہ گنوار تک دین کے مسائل میں مفتی بن کے سامنے آتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دین کے بارے میں غلط رویہ اختیار کرنے سے نہ کوئی زخم ہوتا ہے نہ بخار چڑھتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ قومی ترقی کا تقاضا ہے اور ۔

قومی ترقیوں کی زمانے میں دھوم ہے
مردانے سے بھی زیادہ زنانے میں دھوم ہے

اور آپ کے یا آپ کی ٹیچر تو ماشاء اللہ پوسٹ گریجوایٹ ہوں گی اس لئے وہ دین میں اتھارٹی ہیں۔ لیجئے اب ہم سوال کا جواب اس سے پوچھتے ہیں جو مرد اور عورت دونوں کا خالق ہے۔

(1) اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ یعنی مرد عورت پر قوام ہیں۔
قوام کے معنی عربی لغت میں محافظ، نگران اور حاکم ہیں۔ تو یہ ابن کثیر میں قوام کا آگے لکھا ہے اِیْ رَئِیْسُہَا وَ کَبِیْرُہَا اَلْحَاکِمُ عَلَیْہَا وَ مُؤَدِّبُہَا اِذَا اعْوَجَّتْ یعنی مرد عورت کے سردار ہیں اس کا بڑا ہے اور اس پر حاکم ہے اور جب عورت کجروی کرے تو اسے ادب سکھانے والا ہے۔
نتیجہ کیا نکلا کہ مرد اور عورت برابر ہیں۔ یعنی چوڑو پتر پڑھنے پایا سولہ دونے اٹھ۔

(2) آیت کا اگلا ٹکڑا ہے بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔ یعنی اللہ نے انہیں ایک دوسرے پر فضیلت دی۔ ظاہر ہے کہ فضیلت اسی کی ہے جو محافظ بھی ہے نگران بھی ہے حاکم بھی ہے اور اس بات کا ذمہ دار ہے کہ عورت بگڑے تو اس کی گوشمالی کرے۔

(3) آگے وَبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِھِمْ یہ فضیلت اس وجہ سے بھی ہے کہ عورت کا نان و نفقہ مرد کے ذمے ہے۔ مگر آپ کی ٹیچر کو اس سے اختلاف ہو گا کیونکہ وہ خود کماتی ہیں اور شاید ان کے میاں ایسے ہوں جیسے مس ڈاکٹر نثار ملک کے میاں ہیں۔ اس لئے وہ تو برابری سے آگے بڑھ کر خاوند پر اپنی فضیلت کی قائل ہوں گی۔

(4) آگے ہے فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ یعنی بھلی مانس بیوی وہ ہے جو خاوند کی فرمانبردار ہو۔
مگر چونکہ فرمانروا اور فرمانبردار برابر ہوتے ہیں اس لئے ثابت ہوا کہ مرد اور عورت خاوند اور بیوی برابر ہیں۔

(5) وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاھْجُرُوْھُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ نشوز کے معنی خاوند کی نافرمانی معنی ہوئے وہ بیویاں جن کی سرکشی کا اندیشہ ہو انہیں (راہ راست پر لانے کے لئے) سمجھاؤ۔ یہ پہلا مرحلہ ہے اگر بھلا مانس ہے تو سمجھانے سے سدھر جائے گی اگر یہ تدبیر کارگر نہ

ہو تو ان سے جنسی تعلق کے سلسلے میں بائیکاٹ کر دو۔ اگر خرابی دوسرے درجے کی ہے اور اس کے اندر کی عورت مر نہیں گئی تو وہ سدھر جائے گی اور اگر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہو اور یہ مثل صحیح ہو کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے تو اس کی اتنی گوشمالی کرو کہ وہ سدھر جائے۔

(6) آگے فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا یعنی اگر وہ سرکشی کا رویہ ترک کر کے تمہاری اطاعت قبول کر لیں تو انہیں تنگ کرنے کے بہانے نہ ڈھونڈتے پھرنا۔

نمبر5 اور نمبر6 کا نتیجہ یہ نکلا کہ

چونکہ اصلاح کرنے والا اور جس کی اصلاح کی جائے برابر ہوتے ہیں اور چونکہ مطیع اور مطاع برابر ہوتے ہیں اس لئے ثابت ہوا کہ مرد اور عورت ہر لحاظ سے برابر ہیں۔

یہ تو ہوئی بات اس کی جو مرد اور عورت کا خالق ہے۔ اب رہی بات اس کلئے سے مسائل کے استنباط کی تو اسلام کے چند روزمرہ کے معاشرتی مسائل یوں سامنے آتے ہیں۔

(1) کیونکہ مرد کو ایک وقت میں چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت ہے۔ اور عورت کو ایک وقت میں چار مردوں سے نکاح کرنے کی اجازت ہے لہٰذا مرد اور عورت برابر ہیں۔

(2) چونکہ مرد کو طلاق دینے کا اختیار اور عورت کو ایسا ہی اختیار ہے لہٰذا دونوں برابر ہیں۔

(3) نکاح کے لئے مرد کے ذمے مہر ادا کرنا لازمی اور عورت کے ذمے بھی مرد کو مہر ادا کرنا لازمی ہے۔ لہٰذا دونوں برابر ہیں۔

(4) چونکہ عورت بچے پیدا کرتی ہے اور مرد بھی بچے پیدا کرتا ہے لہٰذا دونوں برابر ہیں اور اسلامی نقطہ نگاہ سے برابر ہیں۔

(ii) عورت کے حکمران ہونے کی قرآن و حدیث میں کہیں ممانعت

نہیں۔

یعنی چودہ صدیوں میں کسی نے قرآن و حدیث کو پڑھا ہی نہیں اگر پڑھا ہے تو سمجھا نہیں اور اگر سمجھا ہے تو کسی کو اس پر عمل کرنے کی توفیق نہیں ہوئی یا چودہ صدیوں میں کسی جگہ کسی اسلامی حکومت میں عورت کو حکمران بنانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی یا اتنے عرصے میں کوئی ایسی نابغہ روزگار عورت پیدا نہیں ہوئی کہ اسے اسلامی حکومت میں حکمران بنایا جائے۔ یہ ساری صورتیں پندرھویں صدی میں پیش آئیں اور خدا نے چودہ سو سال کے بعد ایک ایسی عورت پیدا کی جس کو صرف حکمرانی ہی کے لئے پیدا کیا یا چودہ صدیوں میں صرف ایک ہی ملک پاکستان وجود میں آیا جس کی تخلیق کا مقصد لا الہ الا اللہ ہے اور پاکستانی قوم کے مردوں کو ایسا نامرد بنایا کہ ان میں کوئی ایک بھی حکمرانی کے قابل نہ نکلا اس لئے ایک پاکباز مسلمان عورت کو حکمران بنا دیا۔

مگر اس سوال کا جواب تو ٹیچر نے خود دے دیا کہ عورت نبی بنتی نہیں نبی جنتی ہے اور نبی جنتا بڑی عظمت ہے تو اس اصول کو یہاں کیوں نہ اپنایا کہ عورت حکمران بنتی نہیں حکمران جنتی ہے۔ یہاں عورت کو اس مقام رفیع سے گرا کر حکمران کی پستی کے قابل کیوں قرار دیا یہ تو بنیا پن ہے کہ لینے کے باٹ اور دینے کے باٹ اور۔ اس مسئلے پر علماء نے مستقل پمفلٹ لکھے مطالعہ کر لیجئے۔

(iii) تیسرا مسئلہ تو تحقیق کا شاہکار ہے مگر اس سلسلے میں پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام نے پردے کا حکم کیوں دیا ہے۔ اس کی تفصیلات پر تو بعد میں بحث ہو گی۔ پردے کی غرض یہ ہے کہ حسن میں کشش ہے اور نسوانیت تو مطلق باعث کشش ہے۔ اور مرد میں فعالیت ہے عورت میں انفعالیت ہے۔ مرد جب عورت کو دیکھتا ہے تو اس کے سفلی جذبات میں ہیجان پیدا ہوتا ہے پھر اس داعیہ کی تسکین کے لئے ایسا بے تاب ہوتا ہے کہ جائز و ناجائز کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ اس لئے اسلام نے احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہوئے اس سلسلے میں دو جملے فرمائے اول

وَلَا تَقْرَبُوالفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَ مَابَطَنَ اور ولا تَقْرَبُوا الزِّنیٰ دونوں مقام پر لاتقربو کا لفظ قابل غور ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایسے اندام جو فواحش یا زنی تک پہنچانے والے ہوں ان سے بچو۔ پردہ کی غایت یہی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کشش جسم کے کس حصے میں ہوتی ہے۔ اگر انسان لٹھ لے کے عقل کے پیچھے نہ پڑا ہو تو بے دریغ کہہ اٹھے گا کہ یہ چہرہ ہی تو ہے جسے دیکھ کر آدمی بے اختیار اس کی طرف کھچا چلا جاتا ہے۔ اگر ذوق خود نمائی کی تسکین کے لئے چہرے کو بنا سنوار کے دعوت نظارہ دی جائے تو وہی کچھ ہو گا جو آج ہو رہا ہے۔ چلئے جس نے پردے کا حکم دیا اس سے پوچھتے ہیں۔

(1) عورتوں کے لئے ازواج مطہرات مکمل نمونہ ہیں اس لئے ان کو مخاطب کر کے تمام مسلمان عورتوں کو سلیقہ سکھایا گیا۔

(الف) وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ اپنے گھروں میں سکون سے رہ کر وہ فرائض انجام دیتی رہو جو تخلیقی طور پر تمہیں سونپے گئے ہیں۔

(ب) وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الجَاهِلِيَتِ الْاُوْلٰی تبرج کہتے ہیں خودنمائی کو زیب و زینت کی نمائش کرنا یعنی نمائش حسن کرتی ہوئی بن ٹھن کے باہر نہ نکلو۔

(ج) یَاایُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِاَزْوَاجِکُمَ بَنَاتِکَ وَ نِسَاءِالْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْھِنَّ اس کی وجہ بتائی کہ ذٰلِکَ اَدْنیٰ اَنْ یُعْرِفْنَ تاکہ پہچان لی جائیں کہ یہ شریف زادیاں ہیں۔

(د) اِذَا سَالْتُمُوْھُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْھُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ یدمن وراء حجاب کا مطلب کیا یہ ہے کہ خبردار چہرہ نہیں چھپانا۔

آج تو مسلمان اللہ کی بات ماننے پر آسانی سے تو آمادہ نہیں ہوتا ہاں کوئی سائنسی تحقیق سامنے آ جائے تو ہزار جان سے فدا ہوتا ہے۔ اب تو سائنس نے بھی ثابت کر دیا کہ نگاہوں سے خاص قسم کی Waves نکلتی ہیں۔ جب کسی دوسرے سے آنکھیں چار ہو جائیں اور دونوں کی نگاہوں کی فریکوئنسی برابر ہو تو وہ لازماً

ایک دوسرے پر لٹو ہو جاتے ہیں۔

مگر اسلام نے تو یہ راستہ چودہ صدیاں پہلے بند کر دیا سائنس اور اسلام میں فرق یہی ہے کہ سائنس کا کام تلاش حقیقت ہے اور اسلام کا کام بیان حقیقت ہے۔

ہاں تو سائنس نے تو پردے کی ضرورت برسوں پہلے معلوم کر لی تھی۔ یہ جو آپ کے سامنے بجلی کے دو تار ہیں ان پر ربڑ کیوں چڑھا ہوا ہے۔ اس لئے کہ تار کہیں ننگے ہوں آپس میں مس کریں تو فیوز اڑ جاتا ہے اور Spark نکلتا ہے لیکن یہی دو تار جب بلب کے اندر آپس میں ملتے ہیں تو روشنی ہو جاتی ہے یعنی سائنس نے بتا دیا کہ مرد اور عورت کا آزادانہ اختلاط ہو گا تو معاشرے کا فیوز اڑ جائے گا اور Spark نکلے گا ہمارے تو معاشرے کا فیوز ہی اڑ چکا ہے ہاں بلب کے اندر ایک باریک سا تار جیسے فلیمنٹ کہتے ہیں وہ روشنی کا باعث بنتا ہے یہ نکاح ہی تو وہ فلیمنٹ ہے جو مرد اور عورت کا تعلق قائم کر کے معاشرے میں امن و سکون کی روشنی پھیلانے کا باعث بنتا ہے۔

ہاں تو یاد آیا۔ تم نے بزم انجم میں علم تشریح الاعضا کی ایک جھلک دیکھی ہو گی اب پھر دیکھ لو۔ کتاب کا نام ہے التوضیح فی اصول التشریح۔ از ڈاکٹر یوحنا۔

(1) عورت کی جسمانی ترکیب بچے کی جسمانی ترکیب کے مشابہ ہے۔

عورت کا حاسد بچے کی طرح جلد متاثر ہوتا ہے۔

(2) عورت کے قد کا اوسط مرد کے قد کے اوسط سے 12 سنٹی میٹر کم ہے۔

(3) عورت کا اوسط وزن مرد کے اوسط وزن سے 5 کلو کم ہے۔

(4) مرد اور عورت کے عضلات کی قوت میں 2 : 1 کی نسبت ہے۔

(5) عورت کا دل مرد کے دل سے 60 ڈرام چھوٹا اور ضعیف ہے۔

(6) مرد ایک گھنٹے میں تنفس کے ذریعے 11 ڈرام کا ربن جلاتا ہے اور عورت چھ ڈرام۔

علیٰ ھذا القیاس ۔

یہاں عضلات کی قوت میں 2 : 1 کی نسبت جس نے رکھی اسی نے حکم دیا لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ۔ ترجمہ : (وراثت میں) ایک مرد کا دو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔ اور اسی نے دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر رکھی۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ مرد اور عورت برابر ہیں۔

اوہو ذہن پھر مرد اور عورت کی برابری کی طرف منتقل ہو گیا۔ علوم و فنون نے جس قدر ترقی کی ہے اس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ علوم و فنون میں ریسرچ نئی نئی ایجادات کیا کچھ نہیں ہوا۔ اسلامی علم کو دیکھئے چودہ صدیوں میں کتنے مفسر قرآن گزرے؟ شاید اتنی ہی عورتیں بھی ہوں گی کتنے محدث گزرے۔ عورتیں ان سے زیادہ نہیں تو اتنی ضرور ہوں گی کتنے فقیہ گزرے۔ فقہا عورتوں کا شمار ہی نہیں۔

علم کلام۔ معانی، بیان، منطق فلسفہ ہر علم میں کتنی عورتوں نے نام پیدا کیا پھر جدید علوم کی تاریخ کے آسمان پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمک رہی ہیں۔ لہٰذا کوئی اندھا ہی ہو جو ان حقائق کو دیکھ کر اس فتویٰ کا منکر ہو کہ مرد و عورت برابر ہیں۔

مختصر یہ کہ اپنی ٹیچر کے ساتھ بحث مت کرو۔ اپنے طور پر ان حقائق پر غور کر لو۔ اگر اطمینان ہو جائے تو پلے باندھو ورنہ بھول جاؤ۔

سوال و جواب نمبر 16- آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا اور اس کے ساتھ جو علمی سرمایہ موصول ہوا وہ مزید علیہ ہے آپ کی اس دوہری عنایت کا شکریہ۔ پھر یہ فرمانا کہ "میری تشفی کرو" یہ تو وہی بات ہوئی کہ لقمان کو حکمت سکھائی جائے۔

آپ نے پہلے سوال پر گرفت کرتے ہوئے اپنے ارشادات کو ساڑھے چار صفحوں پر پھیلایا ہے جس کا خلاصہ تین باتیں ہیں۔ (1) اذان سے پہلے صلوۃ وسلام گانا وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ترجمہ : اور ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کیا۔ کے تقاضے پورا کرنے کی صورت ہے۔ (2) صلاح الدین ایوبی نے اذانوں کے ساتھ درود و سلام پڑھنا شروع کیا اور اس کی وجہ تھی کہ شیعوں نے اپنی اذان کے بعد اپنے خلیفہ پر سلام پڑھنا شروع کیا تھا۔ تو سلطان نے اس بدعت کو باطل کر کے اس کے عوض حضور ﷺ پر درود سلام پڑھنے کا تمام شہروں اور گاؤں میں حکم فرمایا۔ (3) پروفیسر صاحب صلوۃ وسلام کو بدعت اور حرام سمجھتے ہیں ان تین امور کے متعلق مختصر طور پر گزارش کروں گا۔ (1) وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا جملہ ایک مکی سورۃ کی آیت ہے۔ جو ترتیب نزولی کے اعتبار سے بارھویں سورۃ ہے یعنی بالکل ابتدائی مکی دور کی۔ ظاہر ہے کہ اس وقت اس کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ اذان شروع ہی نہیں ہوئی تھی۔ ھ- (622ء) اذان شروع ہوئی نبی رحمت ﷺ نے اپنی ساری مدنی زندگی میں اس حکم کی تعمیل کا نہ حکم دیا یہ نہ اس پر عمل کرایا۔ کیا حضور اکرم ﷺ نے اس آیت کا مفہوم نہیں سمجھا تھا۔ پھر حضور اکرم ﷺ کے شاگردوں میں خلفائے راشدین کا نام سرفہرست آتا ہے۔ ان کو بھی اس آیت کا مفہوم نہ معلوم ہو سکا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے پورے دور میں اذان کے ساتھ صلوۃ و سلام گانے کا اہتمام نہیں فرمایا۔ جرالامت عبداللہ بن عباس۔ ابی بن کعب' اور عبداللہ بن مسعود جیسے فقیہ بھی وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا مفہوم نہ سمجھ سکے۔ تابعین میں ابوحنیفہ ؒ جیسے فقیہ اور مجتہد بھی قرآن نہ سمجھ سکے بلکہ امام مالک' امام شافعی' امام احمد بن حنبل

جیسے بحرالعلوم حضرات کو وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکْ کی سمجھ نہ آئی قرآن کی سمجھ آتی تو چھٹی صدی میں صلاح الدین کو۔ حضرت! رنگین عینک اتار کر ذرا غور کریں یہ صحابہ' تابعین تبع تابعین بلکہ چھٹی صدی تک تمام علمائے ربانی کی نالائقی کا آپ اعلان فرما رہے ہیں پھر یہ بھی تعجب کی بات ہے کہ چھٹی صدی میں ایک بدعت کے جواب میں یہ کام شروع ہوا اور ہمیں چودھویں صدی میں یہ اطلاع ملی کہ رفعنا لک ذکرک کی شرح چھٹی صدی میں ایک بادشاہ نے کی تھی۔ گویا اس خبر کے یہاں پہنچنے میں آٹھ صدیاں صرف ہوئی۔ لیکن صلاح الدین نے یہ کیوں حکم نہ دیا کہ میں رفعنا لک ذکرک کے تقاضے پورا کرنے کے لئے یہ حکم دے رہا ہوں اس نے تو ایک "بدعت کو باطل" کرنے کے لئے یہ کارروائی کی مگر بدعت تو باطل ہوتی ہے سنت سے' للذا اس نے جو کام کیا وہ سنت ہے۔ مگر یہ عجیب سنت ہے کہ صحابہ کی آنکھ سے اوجھل رہی جو سنت کے عینی شاہد اور ناقل ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ لوہا لوہے کو کاٹتا ہے حضرت! اگر آپ یہ فرما دیتے کہ ایوبی نے ایک اچھی رسم شروع کی تو بات بجتی تھی۔ مگر وہ رسم ہی ہوتی دین نہ ہوتا۔

(2) آپ کا یہ فرمانا کہ یہ کام صلاح الدین ایوبی نے چھٹی صدی میں شروع کیا۔ خود یہ اعلان ہے کہ یہ دین نہیں۔ کیونکہ دین وہی ہے جو خاتم الانبیاء نبی رحمت ﷺ مکمل کر کے اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ یا رسم سوادی ہے۔

(3) آپ کا یہ فرمانا کہ پروفیسر صاحب اس کو بدعت اور حرام سمجھتے ہیں۔ یہ آپ کی زیادتی ہے اتہام ہے۔ بھلا فتویٰ دینے والا میں کون؟ مجھے بس اتنا سمجھا دیجئے کہ دین جب نقل ہو کے آیا ہے اور پہلے نقال صحابی ہیں تو چھٹی صدی میں ایک بادشاہ ایک بدعت کو باطل کرنے کا جو طریقہ ایجاد کرتا ہے وہ دین کیسے بن گیا؟

آپ نے تدوین قرآن کے سلسلے میں جو کچھ فرمایا وہ کشتی کے داؤ کے علاوہ کچھ نہیں۔ صدیق و فاروق وہ ہستیاں ہیں جن کے متعلق ارشاد نبوی ہے کہ

"میرے بعد انکی اقتدا کرو۔" کیوں؟ اس لئے کہ وہ نبوت کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ مجتہد تھے۔ معلم کائنات کے براہ راست شاگرد تھے۔ تو گویا آج جو نتھو خیرا اٹھ کے کوئی اپنا کام شروع کر دے ہم اسے صدیق و فاروق سمجھنے لگیں اور اس کی ایجاد کو دین سمجھنے لگیں۔ بریں عقل و دانش بباید گریست۔

دوسرا سوال :- حاضر ناظر۔ آپ فرماتے ہیں "قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی بیشک ہم نے آپ کو بھیجا ہے حاضر ناظر اور خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا۔ اور شاہدا" کے معنی ہیں حاضر ناظر جس کا ثبوت مختلف تفسیریں پڑھ کر ملتا ہے۔ حاضر ناظر دونوں عربی کے لفظ ہیں۔ اور شاہدا" بھی عربی زبان کا لفظ ہے کیا کسی عرب مفسر نے عربی تفسیر میں شاہدا" کا معنی حاضر ناظر لکھے ہیں؟ مجھے تو کسی تفسیر میں نہیں ملے۔ آپ ذرا کسی تفسیر کا نام لیں جس میں شاہدا" کے معنی حاضر ناظر لکھے ہوں۔

تفسیر کبیر میں امام رازی لکھتے ہیں۔ اِنَّہٗ شَاہِدٌ فِی الدُّنْیَا بِاَحْوَالِ الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْجَنَّۃِ وَالنَّار۔ وَالْمِیْزَانْ وَ الصِّرَاطِ وَ شَاہِدٌ فِی الْاٰخِرَۃِ بِاَحْوَالِ الدُّنْیَا بِالطَّاعَۃِ وَ الْمَعْصِیَۃِ وَالصَّلَاحَ وَ الْفَسَادِ۔

ترجمہ : بے شک آپ ﷺ دنیا میں آخرت کے احوال جنت و دوزخ میزان اور پل صراط کو جاننے والے ہیں۔ نیز آپ ﷺ نیکی و بدی اور اصلاح و فساد کے احوال کو جاننے والے ہیں۔

تفسیر مظہری میں ہے شَاہِدَ اَعَلٰی اُمَّتِکَ اَخْرَجَ اِبْنَ الْمُبَارَکْ عَنْ سَعِیْدْ بِنَ الْمُسَیَّبْ۔ کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ صبح و شام نبی رحمت ﷺ کی خدمت میں امت کو پیش نہ کیا جائے۔ لہٰذا آپ امت کے متعلق گواہی دیں گے یَا اَخْرِجَ الْبُخَارِیْ وَالتِّرمِذِیْ وَ النِّسَائِیْ وَ اِبنِ مَاجہ عَن اَبِی سَعِیْدْ الخِدْرِیْ۔ قیامت کے دن نوحؑ کو بلایا جائے گا اور کہا جائے گا کیا آپ نے دین پہنچا دیا تھا۔ وہ عرض کریں گے ہاں پہنچا دیا تھا۔ پھر انکی امت کو بلایا جائے گا ان سے پوچھا جائے گا کیا تمہیں دین پہنچایا گیا وہ کہیں گے ہمارے پاس کوئی نہیں

آیا۔ پھر نوحؑ سے کہا جائے گا کون تمہاری گواہی دیتا ہے۔ وہ کہیں گے کہ محمد ﷺ اور ان کی امت۔

عجیب بات ہے ان مفسرین کو عربی نہیں آتی تھی کہ اتنی لمبی باتیں لکھ دیں یہ نہ لکھا کہ شاھدا" کے معنی حاضر ناظر۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ عقیدہ ہے تو حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کو کیوں نہیں بتایا۔ اگر عقیدہ ہے تو چاروں مجتہد حضرات نے عقائد کی فہرست میں کیوں نہیں بیان کیا۔ علم کلام میں کیوں بیان نہیں ہوا۔ یہ بات مجھے سمجھا دیں۔

سوال نمبر 3۔ یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ اتَّقُوا اللّٰہَ وَ ابْتَغُوا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ

ترجمہ : اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس تک پہنچنے کے لئے وسیلہ اختیار کرو۔ آپ فرماتے ہیں اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اعمال کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں کا وسیلہ ڈھونڈنا ضروری ہے۔ حضرت! آپ کے اس " معلوم ہوا" پر قربان جایئے۔ سنئے۔

(1) اَلْوَسِیْلَۃَ ای الْقُرْبَۃُ بِطَاعَتِہٖ (تفسیر جامع البیان)

(2) اَلْوَسِیْلَۃَ تَوَسَّلُ اِلٰی رَبِّہٖ تَوْسِیْلَۃً تَقَرَّبُ اِلَیْہِ بِعَمَلٍ

ترجمہ : کسی عمل کے ذریعے اللہ کے قریب پہنچنا وسیلہ کہلاتا ہے۔

(تفسیر جلالین)

(3) اَلْوَسِیْلَۃَ تَقَرَّبُ اِلَی اللّٰہُ تَعَالٰی مَنْ فَعَلَ الطَّاعَاتِ وَ تَرَکَ الْمَعَاصِی (روح المعانی) ترجمہ :نیکی کر کے اور برائی سے بچ کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا وسیلہ کہلاتا ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ بعض لوگ اس سے صالحین سے استغاثہ کرنے اور انہیں وسیلہ بنانے کا استدلال کرتے ہیں مگر وَکُلُّ ذٰلِکَ بُعِیْدٌ عَنِ الْحَقِّ بِمَرَاحِلَ۔ یعنی یہ ساری باتیں حق سے کوسوں دور ہیں۔

(4) امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں اَعْلَمْ اَنْ مَجَامِعَ التَّکْلِیْفُ مَحْصُوْرَۃً فِی نَوْعَیْنِ لَا ثَالِثَھَا اَحَدُھُمَا تَرَکَ الْمَنْھِیَاتَ وَ اِلَیْہِ الْاِشَارَۃَ بِقَوْلَہٗ اتَّقُوا اللّٰہُ وَ ثَانِیْھَا فِعْلُ الْمَامُوْرَاتِ وَاِلَیْہِ اِلَا شَارَۃَ بِقَوْلِہٖ تَعَالٰی

وَابْتَغُوا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ پھر آگے جا کے لکھتے ہیں مَكَانَ الْمُرَادُ بِطَلَبِ الْوَسِيْلَةِ اِلَيْهِ فِي تَحْصِيْلِ مَرْضَاتِهٖ وَ ذٰلِكَ بِالْعِبَادَاتِ وَالطَّاعَاتِ۔

(5) ابن عباس مجاہد' حسن بصری سب اکابر نے وسیلہ کا معنی قربت کیا ہے اور قتادہ نے کہا ہے کہ اَیْ تَقَرَّبُوْا اِلَيْهِ بِطَاعَتِهٖ وَ الْعَمَلِ بِمَا يَرْضِيْهِ

یعنی جن لوگوں نے براہ راست صاحب قرآن سے قرآن سیکھا ان کو یہ معلوم نہیں ہوا۔

جن لوگوں کی مادری زبان عربی تھی۔ ان کو یہ معلوم نہیں ہوا۔ جن لوگوں نے کتاب اللہ کے فہم کے لئے عمریں صرف کر دیں ان کو معلوم نہیں ہوا اور معلوم ہوا تو چودھویں صدی میں پنجابی بولنے والے ایک کوردہ کے رہنے والے کو۔ سچ ہے کسی نے ایک عارف سے پوچھا تھا کہ دنیا میں سب سے زیادہ مظلوم کون ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ قرآن کریم۔ واقعی اس کتاب پر بڑے بڑے ظلم ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ حضرت! اب آپ بتائیں کہ ان لوگوں کی بات مانوں جنہیں معلوم نہیں ہوا یا آپ کی مانوں جنہیں معلوم ہوا۔

سوال نمبر 4۔ آپ نے فرمایا گانا اور چیز ہے اور پڑھنا اور چیز ہے۔ سچ فرمایا آپ نے مگر جب گانے کا نام پڑھنا رکھ دیا جائے تو اور چیز ختم ہو جاتی ہے۔ یہ جو لاؤڈ سپیکر پہ سرتال سے کیا جاتا ہے اگر اس کا نام پڑھنا ہے تو ذرا گانے کی تعریف تو بتائیں اور اس کی کوئی نشانی بھی ارشاد فرمائیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ قرآن کے بارے میں حکم ہے کہ اس کو رات کے وقت بلند اور خوبصورت آواز سے پڑھا جائے۔ یہ حکم بڑا اہم ہے ذرا ارشاد فرمائیں کہ یہ حکم کس نے دیا اور کہاں لکھا ہے۔ مجھ جیسے جاہل تو اس نعمت سے محروم رہے پھر آپ نے فرمایا کہ قیامت والے دن اللہ تعالٰی ضرور پوچھیں گے کہ جب تم کو لاؤڈ سپیکر جیسی نعمت میسر تھی تو تم نے میرا ذکر اور میرے حبیب کا ذکر بلند آواز سے کیوں نہ پڑھا۔ واقعی اس سوال کا جواب تو ضرور تیار کر لینا چاہئے۔ لیکن اس کے ساتھ ایک اور سوال بھی ہو گا۔ کہ جب وجد کے بغیر دین نہیں تو تم نے وجد میں صرف تالی

اور ناچ پر اکتفا کیوں کیا جب تمہیں خٹک ناچ' لڈی' بھنگڑا' ٹوسٹ ڈانس بیلے ڈانس جیسی نعمتیں میسر تھیں تو تم نے موزوں طریقے سے وجد کیوں نہ کیا۔

پھر آپ نے فرمایا کہ ارشاد نبویؐ ہے کہ "جسے وجد نصیب نہیں اسے دین بھی حاصل نہیں"۔ یہ ارشاد تو بڑا اہم ہے ذرا ارشاد فرمائیں کہ یہ ارشاد کس کتاب میں ہے تاکہ مزید تسلی ہو ویسے تو آپ کا ارشاد ہی کافی ہے۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی لکھتے ہیں کہ جھانجھ دار' دف' طبل اور شاہین وغیرہ تمام آلات جو مزامیر اور تار کے علاوہ ہیں ان کا بجانا اور سننا جائز ہے۔ یہ حضرت کوئی مجتہد ہیں' مجتہد مطلق ہیں یا صرف مفتی ہیں۔ ایک اور بزرگ کا نام ہم نے سنا ہے خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کی ایک کتاب ہے فوائد الفواد اس میں سماع کے متعلق انہوں نے فرمایا کہ اس کے لئے چار شرطیں ہیں ان میں سے دو یہ ہیں۔

(1) آلہ سماع آں مزامیر است چوں چنگ ورباب و مثل آں باید کو درمیان نباشد۔

(2) آں کہ می شنود او باید کہ نجق خوشنود و مملواز یاد حق باشد۔ ایں چنیں سماع حلال است۔

یعنی وہ بھی حلال ہے نہ فرض' نہ واجب نہ سنت نہ مستحب۔ صرف حلال۔ ایک اور صاحب جن کا آپ نے ذکر کیا ہمدانی صاحب۔ جن کو آپ نے (رضؓ) لکھا وہ فرماتے ہیں کہ سماع خدا کی طرف ایک سفیر اور خدا کا قاصد ہے۔ چلو کوئی رحمتہ اللہ علیہ ہو یا رضی اللہ عنہ مگر ایک طرف صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں وہ فرماتے ہیں اَلْغِنَاءِ یَنْبِتُ النِّفَاقَ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءِ الزَّرْع (مشکوٰۃ)

یہ جہاں آبادی ہو یا ہمدانی۔ کیا گانے کی اسی لئے تلقین کرتے ہیں کہ سننے والوں کے دلوں میں نفاق کی فصل پیدا ہو یہ نعمت ان کو ہی مبارک ہو ہمیں تو وہی ارشاد دل کو لگتا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

پھر آپ فرماتے ہیں کیا حضور اکرم ﷺ نے دنیاوی زندگی میں نعتیہ اشعار

نہیں فرمائے تھے۔ اس کے ساتھ ایک اور سوال ملا لیں کیا آپ مفتی بلا کر نعتیہ اشعار گانے کا حکم نہیں دیتے تھے۔ ضرور ایسا ہو گا تب ہی تو آج بازار میں نعتیہ کتابیں ملتی ہیں جن میں لکھا ہوتا ہے یہ نعت فلاں فلمی گانے کی طرز پر گائی جائے۔ مگر نہیں میں بھول گیا فلموں میں گاتے کب ہیں وہ تو پڑھتے ہیں۔ اس لئے فلمی گانے کی طرز پر گائی نہ جائے پڑھی جائے۔ یہ اہتمام شاید اس لئے ہو گا کہ قیامت کے دن خدا ضرور سوال کرے گا کہ جب تمہیں فلمی گانوں کی نعمت میسر تھی تو تم میرے حبیب کی نعت اپنی طرز پر کیوں پڑھتے رہے ہو فلمی گانوں کی طرز پر کیوں نہ پڑھی۔

ہاں تو ایک بات پوچھنا بھول گیا کہ بقول آپ کے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "جسے وجد نصیب نہیں اسے دین بھی حاصل نہیں۔" ظاہر ہے کہ مسجد نبویؐ میں اور اصحاب صفہ کے ہاں روزانہ وجد ہوتا ہو گا اور وجد بھی موزوں جس میں تالی اور ناچ ہو۔ کیونکہ وہاں تو دیندار ہی اکٹھے ہوتے تھے۔ ذرا سیرت صحابہؓ کی کسی کتاب کی نشاندہی فرمائیں جس میں لکھا ہو کہ صحابہ وجد کرتے تھے اور مسجد نبویؐ میں موزوں وجد ہوتا تھا کیونکہ اس وقت دین کا مرکز تو مسجد نبویؐ ہی تھی۔

سوال نمبر5۔ آپ فرماتے ہیں کہ میت کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے یہ تیجا، چوتھا، جمعرات، چالیسواں سب جائز ہے۔ آپ عالم بھی ہیں مفتی بھی ہیں اس لئے فرما سکتے ہیں کہ جائز ہے۔ مگر آخر میں آپ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت امیر حمزہ ؓ کے لئے تیسرے، ساتویں اور چالیسویں دن اور چھٹے ماہ اور سال کے بعد صدقہ کیا۔ اس لئے آپ اپنے فتویٰ میں جائز کہنے پر کیوں رک گئے یہ تو سنت قائم ہے جب حضور اکرم ﷺ نے کیا تو سنت موکدہ ہوا صرف جائز کیسے ہوا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ سیرۃ کی کسی کتاب میں یہ بات ملتی ہے کیا؟ میرے پاس سیرۃ عربی کتب میں سے ابن ہشام نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض، البدایہ والنہایہ، طبری، زادالمعاد، وفاء الوفا، موجود ہیں ذرا آپ نشاندھی

فرما دیں کہ یہ واقعہ کس کتاب میں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب یہ اصولاً سنت ٹھہرا تو چاروں ائمہ مجتہدین نے اس کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ تیسری بات یہ ہے کہ صدقہ کے لئے' صدقہ واجبہ ہو یا نافلہ کیا مصرف کی بھی کوئی شرط ہے یا نہیں؟ صدقہ و اجبہ یانافلہ کسی غنی کو دے دیا جائے تو کیا ثواب ہو گا۔ اگر ہو گا تو مصرف کی قید کیوں ہے۔ اس قید سے ظاہر ہے کہ صدقہ اگر صحیح مصرف تک نہ پہنچےاگرثواب پہنچانے کے لئے ہوتا ہے تو کیا یہ صدقہ کھانے والے محتاج' مستحق اور وہی لوگ ہوتے ہیں جن کا صدقہ کے مصرف میں ذکر ہے؟ دیکھا گیا ہے ہر مشٹنڈا اور مفت خورا وہاں موجود ہوتا ہے پھر ثواب کہاں ہوا؟ جب ثواب ہوا نہیں تو میت کو کیا پہنچے گا۔

حضرت! بات جو میں نے عرض کی تھی آپ نے اس کی تصدیق فرما دی کہ سب مسائل گانے کھانے اور دکھانے کے شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں پانچویں بات یہ ہے کہ آپ نے جتنی حدیثیں نقل فرمائی ہیں۔ صحابہؓ کو معلوم نہیں تھیں؟ تابعین تبع تابعین آئمہ مجتہدین ان حدیثوں سے ناآشنا تھے؟ اگر جانتے تھے تو ان کے ہاں کہیں دیگیں پکتی نظر نہیں آئیں۔ چاروں مذاہب فقہ کی کتابیں موجود ہیں کسی میں اس سنت کو قائم رکھنے کا حکم نہیں ملتا۔

سوال تو ختم ہوئے جو حقیقت میری سمجھ میں آئی ہے آخر میں عرض کرتا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ تھوڑی دیر کے لئے بریلویت کی عینک اتار کر ایک طرف رکھ دیں۔ اور بالکل خالی الذہن ہو کر میری گزارشات پر غور فرمائیں اور میرے لئے دعا کر دیں۔

(1) ان مسائل پر جو آپ نے علمی بحث فرمائی اس سے صاف نظر آتا ہے کہ سب میں ایک اصول کار فرما ہے۔ یعنی اپنی پسند کا کوئی نیا کام شروع کر دیا۔ پھر اس کے لئے دلائل مہیا کرنے کی فکر ہوئی اور قرآن کریم سے ربڑ کا کام لے کر کسی آیت کو کھینچ کر اپنی بات پر فٹ کر دیا۔ اس حرکت کا اصل نام تحریف ہے۔ یہ کہیں نہیں نظر آتا کہ پہلے کسی آیت پر غور ہو اس سے کوئی

اجتہادی مسئلہ استنباط کیا گیا ہو۔ دیکھ لیجئے ور فعنا لک ذکرک میں کیا اصول نہیں برتا گیا۔ صلاح الدین ایوبی نے ایک نیا کام شروع کیا وہ نہ عالم نہ مجتہد نہ اس کے پیش نظر۔ ور فعنا لک ذکرک تھا۔ کام مزیدار تھا۔ گانے کا لطف اٹھانے کا بہانہ مل گیا۔ اس کے لئے دلائل تلاش کرنے لگے اور ر فعنا لک ذکرک کو اپنے اس خود ایجاد کردہ مزیدار عمل پر منطبق کر دیا۔ یہی کام الوسیلہ اور مشاہدا" کے سلسلے میں کیا گیا۔

(2) علمی سطح پر صحابہ کو ناقابل اعتماد سمجھا گیا اور دین کی بڑی اصل تعامل صحابہ کو کالعدم قرار دیا گیا۔

(3) علمی پہلو سے ہٹ کر محبت کے جذبہ کو خاص اہمیت دی گئی اور اس میں یہ ثابت کیا گیا کہ صحابہ کو نبی رحمت ﷺ سے محبت تھی ہی نہیں اور اگر کہیں تھی تو محبت کرنے کا سلیقہ نہیں آتا تھا اس لئے دعویٰ یہ ہوا کہ محبت کرنا ہم سے سیکھو۔ ممکن ہے اس دعویٰ کی تہ میں یہ حقیقت شامل ہو کہ عربوں کو محبت کرنے کا "چج" ہی نہیں۔ دیکھو پورے عرب میں محبت کا صرف ایک نمونہ ملتا ہے لیلیٰ مجنوں اور یہاں صرف پنجاب میں سوہنی مہینوال، سسی پنوں، ہیر رانجھا ان جیسے کئی نمونے ملتے ہیں اس لئے ہمارے ہاں عشق رسول کا جو جذبہ موجود ہے دنیا میں بلکہ انسانی تاریخ میں کہیں نہیں ملتا۔ چنانچہ 7 جولائی 95ء نوائے وقت میں دیکھو خالد کھرل کا بیان ہے کہ بے نظیر عاشق رسول ہیں۔ یہ ہے ہمارے عشق رسول کا اوج کمال۔

(4) وہ جذبہ عام ہے جو اناخیرمنہ میں تھا بلکہ سب اسی کی گونج ہے کہ صحابہ میں نہ علم تھا نہ محبت رسول تابعین تبع تابعین، آئمہ مجتہدین سب علم اور محبت دونوں اعتبار سے کورے تھے۔ اس لئے نہ دین کو سمجھے نہ دین کی روح کو۔ یہ ہم ہیں جو دین کے رازدان اور دریائے محبت کے شناور ہیں۔

(5) چیز کا نام بدل دو پھر اس پر ڈٹ جاؤ۔ مثلاً" گانے کا نام پڑھنا رکھو بدعت کا نام محبت رکھو۔ ایجادِ بندہ کا نام علمی کاوش رکھو۔ پھر کسی کی نہ سنو۔

(6) اپنے پاس ایسی خوردبین ہے۔ کہ قرآن و سنت میں جو چیز نہ صحابہ کو نظر آئی نہ تابعین کو بلکہ 13 صدیوں میں جو چیز کسی کو نظر نہ آئی وہ اس خوردبین کی مدد سے یہ دیکھ سکتے ہیں۔

دین میں کمی بیشی کا پورا پورا حق ہے۔

یہ ساری کرشمہ سازی ان سات اصولوں کی ہے۔

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

☆ ☆ ☆

سوال و جواب نمبر 17- آپ کا مقالہ موصول ہوا۔ اس کے ساتھ یہ حکم کہ تم اس پر تبصرہ لکھو میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔ مقالے کا موضوع ہے اسرار دین اور علم النفس اور لکھنے والے ہیں ایک مستند محقق۔ اور تبصرے کا مطالبہ اس سے ہو رہا ہے جو دینی علوم میں محض طفل مکتب ہے اور علم النفس کا بس نام سنا ہوا ہے اور فن تحقیق کی ابجد سے بھی واقف نہیں اور آپ اس کی ان تینوں حیثیتوں سے واقف ہیں۔ لہذا میں اس کا مطلب یہ سمجھا ہوں کہ آپ فرما رہے ہیں کہ تجھے فہم دین کا شوق ہے اس لئے کچھ ہم سے بھی سیکھ لے۔ چنانچہ میں نے مقالے کا بغور مطالعہ کیا اور بہت کچھ سیکھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

اپنی طالب علمانہ ناقص رائے تو یہ ہے کہ دین اسلام کے تمام احکام اور اس کی ساری تعلیمات انسانی نفسیات کی پکار کا جواب ہیں اور انسانی فطرت کے تقاضے پورا کرنے کا سلیقہ سکھایا گیا ہے۔ مثال کے طور اس حقیقت پر غور کیا جائے کہ اسلام کا پہلا مطالبہ ہے اقرار شہادتیں۔ اس میں دو پہلو ہیں ایک صورت شے ایک حقیقت شے صورت ایمان اقرار بالسان ہے حقیقت ایمان تصدیق بالقلب ہے۔ اور یہ خالص نفسیات کا مسئلہ ہے کہ یہ تصدیق اور یقین کیونکر پیدا ہو، تو کلمہ طیبہ کے دو اجزا پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصود توحید پر یقین اور اس کا ذریعہ رسالت پر اعتماد ہے اور یہ نفسیات انسانی کے بالکل مطابق انسانی زندگی کا یہ بنیادی اصول ہے کہ فن کی بات ماہر فن سے پوچھو جو وہ بتائے اس پر یقین کر لو خواہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے اور انسانی زندگی کا سارا کاروبار اس اصول پر چل رہا ہے۔ علم حاصل کرنے کا عمل دیکھئے استاد اور شاگرد کا تعلق اسی بنیاد پر چل رہا ہے۔

ڈاکٹر اور مریض کا تعلق۔ قانون کے میدان میں موکل اور وکیل کا تعلق وغیرہ حصول علم کا ذریعہ استاد پر کامل اعتماد، حصول صحت کا ذریعہ ڈاکٹر پر کامل یقین حصول انصاف کے لئے وکیل پر مکمل اعتماد۔ غرض زندگی کے ہر شعبے میں

یہی اصول کارفرما ہے۔ قرآن حکیم نے اسی نفسیاتی حقیقت کا اظہار ایک مقام پر فرمایا کہ اہل دوزخ کہیں گے لَوْكُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْٓ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ترجمہ: کاش کہ ہم نے سنا ہوتا اور سمجھا ہوتا تو ہم آج جہنمیوں میں سے نہ ہوتے۔

پہلے لایا گیا کہ انسانوں کی اکثریت اسی کی محتاج ہے ماہر فن کی بات سننا اور ماننا۔ عقل کا نمبر دوسرا ہے کہ محقق خال خال ہوتے ہیں۔ تو ایمان لانے کا واحد ذریعہ رسول پر کامل اعتماد ہے اسی اعتماد پر تمام ان دیکھی حقیقتوں پر ایمان لایا جاتا ہے۔ یہاں سے عمروبن ہشام اور عمر بن الخطاب کے رویے میں فرق کی وجہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ عمر بن الخطاب نے اعلان نبوت سنا تھا۔ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ترجمہ: میں نے اس سے قبل تم میں عمر کا ایک حصہ گذارا ہے۔ اور آنکھیں کھول کے نبیؐ کی ذات پر کامل اعتماد ہونے لگا اور کلمہ پڑھ لیا اور عمروبن ہشام "فصیل ذات" سے باہر جھانک ہی نہ سکا اور اپنے بت پندار کے سامنے سے جبین نیاز اٹھ ہی نہ سکی کہ نبی کے اعلان پر توجہ دیتا لہذا نبی پر اعتماد پیدا نہ ہو سکا اور ایمان سے خالی رہا۔ اسی حقیقت کو شعر کی زبان میں بیان کیا گیا ۔

می توانی منکر یزداں شدن
منکر از شان نبی نتواں شدن

ترجمہ: کوئی اللہ کی ذات کا منکر تو ہو سکتا ہے لیکن شان نبی ﷺ کا انکار نہیں کر سکتا۔

مگر چشم بینا شرط ہے چشم تماشا نہیں۔ یہی نفسیاتی عمل فرعون اور جادوگروں کے رویے میں بھی نظر
آتا ہے کہ جادوگروں نے دیکھا کہ عصائے موسیٰ سب سانپوں کو ہڑپ کر گیا ہے اور پھر ویسے کا ویسا عصا ہے یہ جادو نہیں کیونکہ جادو ہوتا تو صرف جادو کا اثر زائل کر دیتا۔ یہ بات جادو سے کہیں ماورا ہے اس لئے انہیں حضرت موسیٰؑ کی

عظمت کا احساس ہو گیا اور ان پر کامل اعتماد پیدا ہوا ایمان لے آئے مگر فرعون وہی اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کی بھول بھلیوں میں سرگرداں رہا اور موسیٰؑ پر اعتماد پیدا نہ ہو سکا ایمان سے محروم رہا۔

قرآن حکیم میں اس کی اور مثالیں بھی ملتی ہیں۔ مثلاً" حضرت سلیمانؑ کا واقعہ دیکھئے۔ بلکہ سب کے متعلق ہے۔ قِیْلَ لَهَا ادْخُلِی الصَّرْحَ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ۔ قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

یعنی وہ شیش محل کو پانی سمجھ بیٹھی اور پانی میں اترنے کے لئے اپنی پنڈلیاں کھولیں۔ جب بتایا گیا کہ یہ پانی نہیں شیش محل ہے تو فوراً" کہہ اٹھی میں ایمان لائی۔ یہ بالکل ایک Psychological Moment والا معاملہ ہے کہ جب میں پانی اور شیشے میں تمیز نہیں کر سکتی تو اس حقیقت تک کیسے پہنچ سکتی ہوں جس کی طرف سلیمانؑ نے مجھے دعوت دیتے ہوئے لکھا تھا کہ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَ اْتُوْنِیْ مُسْلِمِيْنَ۔ لہذا حضرت سلیمان پر کامل اعتماد ہو گیا اور ایمان لے آئی۔

قرآن حکیم میں نفسیات انسانی کے عجیب عجیب نمونے ملتے ہیں مثلاً" برادران یوسفؑ نے ایک موقعہ پر ایک بھائی کے متعلق کہا اَرْسِلْ مَعَنَا اَخَانَا نَكْتَلْ دوسرے موقعہ پر دوسرے بھائی کے متعلق کہا اِرْجِعُوْا اِلٰی اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يَا اَبَانَا اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ۔ یعنی جب کچھ لالچ تھا تو کہا ابا! ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج۔ دوسرے موقعہ پر ایک برائی کو اپنی طرف منسوب کرنے تیار نہ ہوئے اور کہا، ابا! تیرے بیٹے نے چوری کی۔ یہ بتایا جا رہا ہے کہ دیکھو تمہاری فطرت اس بات سے ابا کرتی ہے کہ کوئی برائی تم سے منسوب ہو تو برائی کا ارتکاب کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی۔ اس قسم کے بیشمار مسائل قرآن حکیم میں جا بجا ملتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی تمام اپروچ نفسیات انسانی کے عین مطابق ہے۔

آپ نے علمائے ربانی کو جو یہ دعوت دی ہے کہ تزکیہ اور ذکر الٰہی کا تعلق اور گہرا تعلق قرآن و سنت سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ اہل بصیرت حضرات اس امر کی وضاحت کریں کہ ذکر الٰہی کیونکر یہ انقلاب پیدا کرتا ہے۔ واقعی اس امر کی وضاحت کریں کہ ذکر الٰہی کیونکر یہ انقلاب پیدا کرتا ہے۔ واقعی یہ کام اہل دل اور اہل نظر ہی کے کرنے کا ہے۔ مگر بات پھر وہاں آ جاتی ہے ۔

گفتا کہ یافت می نشود جستہ ایم ما
گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست

ترجمہ : اس نے کہا کہ جس کے لئے ہم نے جستجو ہی نہیں کی تھی وہ پا لیا۔ جواب میں دوسرے نے کہا کہ جو کچھ پایا ہے وہ ہماری آرزو ہی نہیں تھی۔

ایک چیز ذہن میں آتی ہے کہ یہ حقیقت ایک خالص نفسیاتی حقیقت ہے کہ اسم کے آتے ہی ذہن مسمی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور مسمی اگر محبوب بھی ہو تو صرف ذہن نہیں بلکہ قلب بھی ادھر کھچا چلا جاتا ہے اس لئے ذکر اسم ذات ہو یا ذکر نفی اثبات ہے مسمی وہی ہے جس نے فرما دیا کہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ اس لئے نفسیات انسانی کا تقاضا ہے ذکر اسم کے ساتھ ذہن اور قلب مسمی کی طرف فوراً منتقل ہو۔ اور محبوب میں مقناطیسی کشش کا انکار وہی کرے گا جس کے پہلو میں دل نہ ہو۔ اس کشش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محبوب کے رنگ میں رنگے جانے کی تڑپ پیدا ہوتی ہے اور وہ رفتہ رفتہ رنگ کے رکھ دیتی ہے اور کہہ اٹھتا ہے وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ترجمہ : اور کون ہے اللہ سے زیادہ رنگ دینے والا۔ اس کی مثالیں تو فانی کی محبت میں بھی ملتی ہیں دور جانے کی ضرورت نہیں اپنی نسل کو دیکھ لیجئے ہپی ازم میں نہ آسائش نہ آرائش مگر دوڑ لگی ہوئی ہے۔

اسم اور مسمی کا یہ تعلق خود قرآن حکیم سے بھی سمجھ میں آتا ہے مثلاً ذکر الٰہی کے متعلق ترتیب نزول کے اعتبار سے سب سے پہلی آیت جو نازل ہوئی

وہ ہے سورہ مزمل کی آیت وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ترجمہ : اور اللہ کے نام کو یاد کر اور سب سے کٹ کر اسی کا ہو جا۔ پھر کئی مقامات پر واذکر ربک۔ سمجھ میں کچھ یوں آتا ہے ذکر اسم کی ممارست سے ذکر مسمی کی طرف ترقی ہوتی ہے۔ پھر اسم اور مسمی میں فرق اٹھ جاتا ہے۔

ذکر الٰہی کے اس اثر کی ایک اور وجہ یہ نظر آتی ہے کہ ارشاد ہے فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ۔ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ یہ ایسا رشتہ قائم ہوا کہ ٹوٹے کیسے اور جب محبوب یاد کرے گا تو بات کیا بنے گی۔

چاہئے اچھوں کو جتنا چاہئے
وہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہئے

پھر محبوب بھلا اپنے سے دور ہونے دے گا اور محب بھلا اس کے بغیر کیا کہے گا کہ

مرے کریم مجھے اپنے در سے دور نہ کر
کہے گی خلق کہ اپنا بنا کے چھوڑ دیا

واقعی جب فاذکرونی میں یہ کیفیت پیدا ہو جائے کہ اذکرکم تک نوبت پہنچ جائے تو صورت وہی بنتی ہے جس کا نقشہ مولانا روم نے کھینچا ہے

اللہ اللہ کن کہ اللہ می شوی
ایں سخن حق است واللہ می شوی

ترجمہ : اللہ اللہ کہہ کر تو اللہ ہو جائے یہ بات سچ ہے خدا کی قسم ہو جائے گا۔

اس شعر سے بعض موحدوں کو شرک کی بو آئی بلکہ تصوف کو شرک کی تعلیم کا ادارہ سمجھ لیا مگر یوں محسوس ہوتا ہے کہ مولانا روم نے بخاری کی ایک حدیث کے مفہوم کو شعر کا جامہ پہنایا ہے جس میں نبی رحمت ﷺ نے ایک حدیث قدسی بیان فرمائی مفہوم یہ ہے کہ "بندہ جب نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کر لیتا ہے تو میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ اور جب میں اس سے محبت

کرتا ہوں تو میں اس کی سماعت یا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے میں اس کی بصارت یا آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ یہ ہے فاذکرونی اذاکرکم کی صورت اور یہ ہے اللہ اللہ کن کہ اللہ ی شوی کا نقشہ۔

ذکر کے ساتھ اہل فن فکر بھی کراتے ہیں کیونکہ قرآن حکیم میں اولوالالباب کی علامت یہی بتائی گئی ہے کہ وہ ذکر کے ساتھ فکر بھی کرتے ہیں اہل فن کے نزدیک اس فکر کا اصطلاحی نام مراقبہ ہے۔ مراقبہ ایک مشق اور نفسیاتی عمل ہے جن کا مطلب کوئی خاص کیفیت اپنے اوپر وارد کرنا ہوتا ہے اور یہ عمل جوارح کا نہیں نفس کا ہے۔ حدیث جبرئیل میں کانک تراہ دراصل اسی مراقبہ کی مشق ہے۔ اور یہ مراقبہ عبادات معاملات بلکہ پوری زندگی پر پھیلا ہوا ہے۔ مثلاً" ارشاد باری ہے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۔ یعنی صلوۃ میں قیام رکوع سجود صورت صلوۃ ہے اور خشوع حقیقت صلوۃ ہے اور خشوع خالص نفسیاتی عمل ہے اور مراقبہ ہے اسی طرح كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ.... لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ تقویٰ قلب کی کیفیت کا نام ہے گویا علوم کی روح تقویٰ ہے اور تقویٰ ایمان کے انتہائی بلند درجے کا نام ہے خوب کہا ایک نے۔

قوم ہے قرآن سے رخصت قوم گم
صوم ہے ایمان سے رخصت صوم گم

عبادات نہیں معاملات میں بھی اسی نفسیاتی عمل کا نقشہ نظر آتا ہے۔ مثلاً" تقسیم میراث کے موقعہ پر فرمایا وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ۔ یہ مراقبہ ہے یعنی اپنے اوپر یہ کیفیت طاری کرنے کی تلقین کی گئی ہے کہ تم چشم تصور کے سامنے یہ نقشہ لاؤ کہ تم مرتے ہو اور تمہاری کمزور و ناتواں اولاد رہ جاتی ہے تو اس کے ساتھ کیسا سلوک ہونا چاہئے

بس تمہیں بھی وہ سلوک اپنانا چاہئے۔

یہی نہیں بلکہ ایک حدیث سے تو یوں لگتا ہے جیسے پوری زندگی مراقبہ ہی کا ایک عمل ہے ارشاد ہے کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرِ سَبِیْلٍ۔ زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھایا جا رہا ہے کہ یوں سمجھ گویا تو یہاں ایک اجنبی اور غریب الوطن ہے گویا اپنے آپ پر ہمیشہ اور مسلسل یہ کیفیت طاری کرتے رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

قاعدہ ہے کہ جب کسی قوم پر انحطاط کا زمانہ آتا ہے تو وہ ہمہ پہلو ہوتا ہے ہم اس انحطاط کا شکار ہیں اس لئے اس پہلو میں کیفیت یہ ہو گئی ہے کہ۔

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

ورنہ تزکیہ کے شعبہ میں اہل فن علم النفس کے ماہر ہوتے ہیں غالباً" حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک سالک آیا اور تزکیہ کا سلیقہ سیکھنے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ پہلے میں یہ تو دیکھ لوں کہ تیری تربیت کس نہج پر کرنی ہے یہ بتا کہ ایک گھنا جنگل ہے تو اس میں سکونت اختیار کرنا چاہتا ہے اس کے دو طریقے ہیں اول یہ کہ پہلے سارا جنگل صاف کیا جائے پھر اس میں مکان تعمیر کیا جائے اور زندگی کے دوسرے لوازم جمع کئے جائیں دوسرا یہ کہ قدم جمانے کی جگہ لے کر رہنا شروع کر دیا جائے اور ساتھ ساتھ جنگل صاف کرنے کا عمل جاری رہے۔ کہنے لگا مجھے تو پہلا طریقہ پسند ہے فرمایا بس معلوم ہو گیا میں تمہاری تربیت چشتیہ کے طریقے پر کروں گا۔ یہ کیا بات ہوئی۔ بات یہ ہے کہ اہل فن کے نزدیک سالک کی تربیت کے لئے سالک کی نفسیات کے مطابق رویہ اختیار کرنا بہتر ہوتا ہے چشتیہ کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے "تخلیہ" پھر "تحلیہ" اور نقشبندیہ کا طریقہ پہلے "تحلیہ" پھر "تخلیہ" جیسے ہومیوپیتھی اور ایلوپیتھی میں طریقہ علاج مختلف ہے۔ تو معلوم ہوا کہ تصوف کیا ہے یہی کہ ذکر و فکر کی مشق سے اپنے اوپر یہ کیفیت طاری رکھنا کہ کَاَنَّکَ تَرَاہُ اور ذکر و فکر؟

کار جان است ایں نہ کار کام ولب

ترجمہ: یہ دل کا کام ہے زبان اور لب کا کام نہیں۔
اسی لئے ایک عارف نے کہا ہے۔

جہان دل جہان رنگ و بو نیست
دریں پست و بلند و کاخ و کو نیست
زمین و آسمان و چار سو نیست
دریں عالم بجز اللہ ھو نیست

ترجمہ۔ دل کی دنیا مادی دنیا نہیں ہے۔ اس میں محل و کوٹھیاں، امیر و غریب کا سوال نہیں اور اس میں زمین و آسمان، مشرق و مغرب، شمال و جنوب کچھ نہیں بلکہ اس دنیا میں اَللّٰہھو کے بغیر کچھ بھی نہیں۔
اسی لئے۔

نفس دارد و لیکن جاں ندارد
مسلمانے کہ بے اللہ ھو زیست

ترجمہ۔ وہ مسلمان جو اللہ ھو کے ذکر کے بغیر جی رہا ہے۔ وہ صرف سانس لے رہا ہے۔ اس میں روح نہیں۔

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهٗ

ترجمہ: اے اللہ ہمیں حق کو اچھی طرح دکھا اور اس کے اتباع کی توفیق دے۔

☆ ☆ ☆

سوال نمبر 18- ایک مسئلہ پر رہنمائی فرمایئے۔

پنجاب کے دیہاتوں میں کمی کمین کس طبقہ کو کہا جاتا ہے۔ کمی تو کام کرنے والے کو کہتے ہوں گے لیکن کمین کہاں سے بنا۔ یو پی دھلی میں کمین لفظ کمینہ سے نکلا ہے یعنی جو شخص کمینہ حرکات کرے اسے کمینہ کہا جا سکتا ہے۔

ظاہر ہے آپ کے یہاں یہ لفظ کسی دیگر معنوں میں مستعمل ہوتا ہے اس کی وضاحت کی ضرورت ہے۔ ایک اطلاع کے بموجب پنجاب کے دیہاتوں کی مساجد کے امام صاحبان کمیوں میں شمار کئے جاتے ہیں کیا یہ درست ہے اگر درست ہے تو اس موضوع پر تحریر کی ضرورت ہے ہم اگر اپنے امام کو کمیوں میں شامل کرلیں تو پھر ہمارے کمینہ پن میں کیا کمی رہ جاتی ہے۔

امام بمعنی سردار سپہ سالار یا مقتدا کے ہے ہم اس کی اقتدا کرتے ہیں ایک امام کمی کیسے ہو سکتا ہے۔

عرصہ سے اس پر رسالہ شائع کرنے کا ارادہ ہے لیکن اول اس پر تحقیق کی ضرورت دوسرے مصروفیات مانع رہیں۔

میں سمجھتا ہوں آپ کی تحریر با اثر اور موزوں رہے گی آپ ہی تحریر فرمایئے۔

الجواب : آپ کے پہلے مکتوب گرامی کے جواب کے لئے کچھ دستاویزی مواد کی ضرورت ہے۔ میں نے G.H.Q کے آفیسر کو لکھا کہ یہ معلومات فراہم کریں۔

(1) تقسیم ملک سے پہلے فوج میں جو امام بھرتی کئے جاتے تھے وہ کس گریڈ میں تھے ۔

(2) تقسیم کے بعد یہ سلسلہ کب تک جاری رہا۔

(3) اب جو خطیب اعلیٰ اور نائب خطیب بھرتی ہوتے ہیں وہ کس گریڈ میں ہوتے ہیں۔

اسی طرح محکمہ مال کے ایک بزرگ کے ذمہ یہ ڈیوٹی لگائی ہے کاغذات مال سے دیکھ کر بتائیں کہ (1) تقسیم ملک سے پہلے کاغذات مالی میں کمین کون کون سی ذاتیں شمار ہوتی تھیں۔

(2) کیا امام مسجد بھی کمین شمار ہوتا تھا۔

(3) کیا تقسیم کے بعد اس میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے۔

(5) کیا اب امام مسجد کو کمین ذاتوں کی فہرست سے خارج کر دیا گیا ہے۔

یہ معلومات حاصل ہونے کے بعد ایک مفصل اور مستند مضمون لکھا جا سکتا ہے۔ کمین کا لفظ "کام" سے مشتق نہیں بلکہ "کمینہ" سے مشتق ہے اور کمین کے معنی لغت میں نیچ ذات' ادنیٰ قوم کا' اوچھا' کم ظرف اور پاجی کے لکھے ہیں۔ امام مسجد کو "کمین" لکھنے میں انگریز کی سیاسی ضرورت کا راز مضمر ہے۔ انگریز نے جب اس ملک میں اپنی حاکمیت قائم کی تو اس نے اہل ملک کی نفسیات کا گہرا مطالعہ کیا۔ اس نے معلوم کیا ہندو تو صدیوں سے غلام چلا آ رہا ہے اور ہندو کے معنی ہی غلام ہیں مگر مسلمان سے ہم نے اقتدار چھینا ہے یہ اطمینان سے نہیں بیٹھے گا اور اس کے بے کل ہونے کی وجہ صرف سیاسی انحطاط نہیں بلکہ اس کا مذہب ہی تعلیم دیتا ہے کہ مسلمان کو غالب بن کر رہنا چاہئے اسی لئے جہاد فرض قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے اس کی ذہنیت کو بدلنے کی تدبیر کرنی چاہئے اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو اسے معاشی طور پر کمزور کرنا ضروری ہے دوسرا اسے اپنے دین سے دور' بیزار اور متنفر کرنا ضروری ہے۔ اس نے پہلی تدبیر کو عملی شکل یوں دی کہ دینی مدارس سے فارغ طلبہ کو کوئی ملازمت نہیں ملے گی۔ تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔ دوسری تدبیر وقت یہ تھی کہ دین پر براہ راست حملہ کرنا اس وقت ممکن نہیں تھا اس لئے تدبیر یہ کی کہ دین کے نمائندوں کو پبلک کی نگاہ میں پست قرار دیا جائے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے امام مسجد کو کمین لکھوایا۔ ملک کے خوشحال لوگ یعنی خان' چوہدری' سید' وڈیرے سب کمین اقوام کو نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کے سامنے کوئی کمین چارپائی تو کیا پیڑھی پر بیٹھنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ ان دونوں تدبیروں کے ملنے سے اثر یہ ہوا دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والے میدان چھوڑ گئے اور نااہل لوگ مساجد کے امام بننے لگے حتیٰ کہ اب بھی دیہات میں مساجد کے امام عام طور پر جلاہے' موچی' کمہار اور مستری ہی ملتے ہیں میں نے تو ایک جگہ مسلی امام بھی دیکھا ہے

مسلی وہ ہوتے ہیں جن کا پیشہ ڈھول بجانا ہے تقسیم ملک کے وقت صرف اتنی تبدیلی ہوئی کہ سفید فام انگریزوں کی جگہ کالے انگریز ملک کے سفید و سیاہ کے مالک بن گئے اور اب تک اقتدار ورثے میں اسی طبقے کے پاس نسلاً بعد نسل آ رہا ہے۔ آپ دیکھ لیں کہ نصف صدی میں اتنا بھی نہیں ہو سکا کہ قرآن و سنت کو کاغذی طور پر ہی سہی سپریم لا قرار دیا جائے اور اس عرصے میں ضیاء الحق جیسا ہمہ مقتدر حکمران اور نصف صدی میں واحد مسلمان حکمران بھی دس بارہ سال حکومت کر گیا۔ سچ کہا تھا اقبال نے کہ ۔

اگر قبول کرے دین مصطفیٰ انگریز
سیاہ روز مسلماں رہے گا پھر بھی غلام

اس کا دوسرا پہلو بھی دیکھیں جن کو ہم ایسے امام مسجد سمجھتے ہیں جو علامہ زمان ہیں مفتی دوراں ہیں مگر ان کے لچھن یہ ہیں غیر ممالک میں جا کر مسجدوں پر قبضہ کرنے کی مہمیں چلاتے ہیں۔ مسجدوں کو تالے لگواتے ہیں۔ کیا کیا نہیں کرتے۔ یعنی انگریز نے ایک تدبیر کی کہ قائد کو کمینہ لکھوایا اور ہمارے قائدین نے سچ کر دکھایا کہ واقعی انگریز کا فتویٰ درست ہے۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن ہرچہ کرد آں آشنا کرد

میں ہرگز غیروں کی وجہ سے نہیں رو رہا بلکہ میرے ساتھ جو بھی کیا اپنوں نے کیا۔

☆ ☆ ☆

سوال و جواب نمبر 19 آپ کا مکتوب گرامی پہنچا۔ جسے پند نامہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا۔

آپ نے چار سوال کئے ہیں نقل آپ کے پاس ہو گی۔ کیونکہ میرے پاس جو پہنچا ہے وہ فوٹو سٹیٹ کاپی ہے۔

(1) حدیث پاک۔ یہ جو 72 اور تہتر کا ذکر ہے یہ تعداد کے لئے نہیں کثرت کے لئے ہے جیسے لوگ کہتے ہیں۔ میں تمہیں 100 دفعہ کہہ چکا ہوں تو اس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ کہنے والے نے تسبیح ہاتھ میں لے کر شمار کر کے سو دفعہ کہا ہے مراد ہوتی ہے کثرت کا اظہار۔ تو یہاں بھی مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں کثرت سے مذہبی اختلاف ہوا اور میری امت میں اس سے بھی زیادہ ہو گا۔

(2) نجات کا مدار ایمان پر ہے اور درجات کا مدار اعمال پر ہے۔ جس کا خاتمہ ایمان پر ہوا وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کے جنت میں جائے گا جنت مومن کا گھر ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ نے نجات یا سزا کے لئے لیبل نہیں دیکھنا بلکہ مال دیکھنا ہے اور مال کا محل قلب اور ثبوت عمل ہے۔

(5) فرقوں کی کثرت کا یہ حال ہے کہ اگر آپ کھوج لگائیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ ہر آدمی کا اسلام دوسرے سے مختلف ہے اور ہر آدمی ایک فرقہ ہے اسی طرح ہر گاؤں کا اسلام دوسرے گاؤں سے مختلف ہے۔ اور ہر قبیلے کا اسلام دوسرے قبیلے سے مختلف ہے۔ اگر ہر ایک کو فرقہ قرار دیا جائے تو تعداد کئی تہتروں سے بھی بڑھ جائے گی۔

(5) حدیث پاک میں "میری امت" کے الفاظ کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ جو فرقہ بنے گا میری امت سے ہی کٹ کر بنے گا۔ جیسے سب سے پہلا فرقہ جو عبداللہ بن سبا نے بنایا تھا وہ امت ہی سے کٹ کے الگ ہوئے تھے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ باطل فرقہ جو میری امت سے کٹ کے بنے گا

دعویٰ یہی کرے گا کہ ہم حضور ﷺ کی امت ہیں۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ فرقے میری امت کے ہوں گے کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی امت کی نشاندہی فرما دی کہ مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ یعنی میری امت وہ ہے جس کا عقیدہ اور عمل یہ ہو جو میرا اور میرے صحابہ کا ہے۔ یہی اسلام ہے اور یہی حضور ﷺ کی امت ہے۔ اس کے باہر جو کچھ ہے وہ نہ امت ہے نہ اسلام ہے۔

☆ ☆ ☆

سوال نمبر 20- ایک لڑکا 12 یا 13 سال کی عمر میں نماز شروع کرتا ہے اور 2 سال کے عرصے کے بعد ہتھ رسی شروع کرتا ہے۔ اس لڑکے کی نماز اسے اس بے حیائی سے نہیں روکتی۔ آخر کیوں؟

پھر وہ آہ و زاری اور دعا کا سہارا لیتا ہے پھر بھی اس کی خودلذتی کی عادت نہیں جاتی۔ آخر کیوں؟

پھر وہ ذکر و ورد اور مراقبوں کا طریقہ پاس انفاس شروع کرتا ہے۔ پھر بھی اس کی یہ عادت نہیں جاتی ہے آخر کیوں؟

حالانکہ اس میں پیر یا شیخ کی تلقین اور یقین دہانیاں اور اجازت بھی شامل ہیں۔ توجہ اور تصرف اور ہمہ دانی اور پارسائی کا دعویٰ بھی بدرجہ اتم موجود ہیں۔

ان سب کے باوجود وہ ذہنی بگاڑ (Mental Sickness) میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

مشکل مشکل ذکر، لمبے لمبے وظیفے، اور بڑے بڑے مراقبے، اسے کمزور، بیمار اور نفسیاتی مریض (Psyche) بنا دیتے ہیں۔ وہ عرصہ 18 سال سے غم و دکھ، اذیت و دباؤ، افسردگی اور بے چینی، کمزوری اور (Schizophrenia) کی زندگی بسر کر رہا ہے آخر کیوں؟

کیا یہ سب کچھ اس کے ساتھ تزکیہ نفس کرنے کی پاداش میں ہو رہا ہے۔ اس کا آرام و خوشی، صحت و علم اور عزت و حیثیت چھن جانے کا کون ذمہ دار ہے۔ قوت ارادی اور نفسی تجزیہ سے ہی اگر میری بیماریاں، برائیاں دور ہونی تھیں تو ان شیخ کی اجازت، یقین دہانی، تلقین توجہ اور دسترست اور تصرف کا کیا فائدہ؟ میرے اصلاح احوال اور درستگی عادات کے مروجہ اور پرانے طریقوں سے یقین اٹھتا جا رہا ہے۔

یہ بھی دیکھا گیا کہ شیخ صاحب کی اپنی توجہ و تصرف اپنی اولاد بیوی اور سسٹرز پر بھی کارگر ثابت نہیں ہوتا۔ آخر کیوں؟ متاثر ذکر و مراقبہ

الجواب : مکتوب گرامی ملا۔ بگڑے ہوئے جوان کے بگاڑ کی کیفیت پڑھ کر دکھ ہوا اور اس سے زیادہ دکھ اس بات پر ہوا کہ اصلاح احوال اور درستگی عادات کے مروجہ اور پرانے طریقوں سے آپ کا یقین اٹھتا جا رہا ہے۔ دونوں کی حالت قابل رحم ہے۔

(1) ایک ماں ایک بچے کو جنم دیتی ہے اس کی پرورش کی خاطر اپنا آرام اور سکون تج دیتی ہے باپ اس کی پرورش کرتا اسے تعلیم دیتا ہے وہ فرمانبردار بیٹا ماں باپ کے ہر حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ مگر بڑا ہو کر ہیروئن کا عادی ہو گیا ماں منع کرتی ہے باپ روکتا ہے سمجھاتا ہے مگر وہ باز نہیں آتا۔ ماں باپ کے حکم کی تعمیل میں وہ چلچلاتی دھوپ میں دن ٹریکٹر چلاتا ہے کڑاکے کی سردی میں رات بھر جاگ کے کھیتوں کو پانی دیتا ہے۔ ماں باپ اس سے تو خوش ہوتے ہیں مگر جس بات سے منع کرتے ہیں اس سے باز نہیں آتا آخر کیوں؟

قصور تو منع کرنے والے ماں باپ کا ہے کہ اس کی اصلاح نہیں کرتے وہ تو بالکل معصوم ہے بس محنت مشقت کا دکھ سہنے کو پیدا ہوا۔ من کہ ایک دانشور ہوں لہٰذا اصلاح احوال کے لئے ماں کی ممتا اور باپ کی شفقت پر سے میرا یقین اٹھتا جا رہا ہے۔

(2) ایک ڈاکٹر کے پاس مریض آتا ہے ذیابیطس کا مریض ہے ڈاکٹر اس کے لئے دوا تجویز کرتا ہے صبح یہ دوپہر یہ شام یہ رات یہ دوا کھاؤ۔ غذا تجویز کرتا ہے یہ کھاؤ وہ کھاؤ وغیرہ اور وارننگ دیتا ہے کہ میٹھا نہ کھانا۔ وہ ڈاکٹر کے کہنے پر عمل کرتا ہے پابندی سے دوا کھاتا ہے دل نہ چاہتے ہوئے ڈاکٹر کی دوا کھاتا ہے صرف اتنا کرتا ہے شیریں محل سے مٹھائی کا ایک ڈبہ منگوا کر روزانہ کھاتا ہے۔ اس میں قصور تو منع کرنے والے ڈاکٹر کا ہے۔ وہ جو مٹھائی کھانے سے باز نہیں آتا وہ تو بالکل معصوم ہے۔ من کہ ایک دانشور ہوں اصلاح مرض کے لئے دوا ڈاکٹر اور میڈیکل سائنس پر سے میرا یقین اٹھتا جا رہا ہے۔ پھر ہسپتال میں پڑا دکھ سہ رہا ہے صحت نہیں ہوتی آخر کیوں؟

اسی طرح اگر آخر کیوں؟ کی فہرست بنانے لگیں تو ختم ہونے کو نہیں آئے گی مگر ہمیں اس قسم کی آخر کیوں؟ سے غرض نہیں ہمیں تو فکر اور تعجب، دکھ اور شکایت اس سے ہے کہ اللہ و رسول نے ہمیں مشکلات میں کیوں پھنسا دیا۔ زندگی کیوں اجیرن ہو گئی۔ ہاں اس پر غور کرتے ہیں۔

(1) قرآن کریم نے بتایا اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ۔

ترجمہ: بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

کہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے مگر اس میں کمی یہ ہے کہ نماز ویکیوم (Vacuum) بریک کا کام کیوں نہیں کرتی۔ تو پھر روکتی کیسے ہے ہم جو نہیں رکتے۔ تو قصور روکنے والی نماز کا ہے۔ نہ رکنے والے ہم قصور وار نہیں۔ مزا تو جب تھا کہ ہم بے حیائی کرنے لگتے تو نماز جھٹ سے ہمالیہ بن کے ہمارے سامنے کھڑی ہو جاتی پھر تو بات بھی تھی۔ من کہ ایک دانشور ہوں اصلاح احوال کے لئے قرآن کی تعلیمات پر سے میرا یقین اٹھتا جا رہا ہے۔

ہم نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور برائی سے رکتے بھی نہیں آخر کیوں؟

ہم اب یہ سوچیں کہ نماز روکتی کیسے ہے اور ہماری پالیسی کیا ہے۔ ہم رات سونے سے پہلے جو نماز پڑھتے ہیں اس میں پڑھتے ہیں وَنَخْلَعُ وَنَتْرُکُ مَنْ یَّفْجُرُکَ یعنی اے میرے رب جو تیرا نافرمان ہے ہمارا اس سے بائیکاٹ۔ صبح اٹھتے ہی سب سے پہلے ہم جو خود اللہ کے نافرمان ہیں اپنے آپ سے دوستی کرتے ہیں جو کچھ ہمارا نفس کہتا ہے ہم اسی کی مانتے ہیں باہر نکلتے ہیں تو ہر لچ لفنگ اوباش غنڈہ ہمارا دوست ہوتا ہے۔ گویا ہم ایسے دو رخے ہیں کہ کہتے کچھ ہیں کرتے کچھ ہیں قرآن کے ساتھ ہماری دوستی اس قسم کی ہے کہ کرنے کے جو کام وہ کہتا ہے وہ ہم کسی نہ کسی طرح کر ہی لیتے ہیں لیکن جن کاموں سے بچنے کا حکم دیتا ہے وہ ہم سنتے ہی نہیں اصل بات یہ ہے کہ ہم قرآن کے فرمانبردار نہیں اپنے نفس کے پرستار ہیں قرآن کی جو بات نفس کو پسند آئی اپنا لی۔ جو ناپسند آئی وہ قرآن کی ناانصافی اور ظلم ہے۔ آخر کیوں؟

(2) قرآن کہتا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی جس نے نفس کا تزکیہ کیا وہ کامیاب ہوا۔ یعنی فلاح اس نے پائی جس نے تزکیہ کیا اور تزکیہ کا طریقہ بتاتا ہے۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبِ آگاہ ہو جاؤ کہ دلوں کا اطمینان صرف اللہ کے ذکر میں ہے۔ یعنی صرف ذکر الٰہی سے قلب کی صفائی ہوتی ہے اور اسے اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ مگر ہم ذکر کرتے ہیں اور تزکیہ نہیں ہوتا آخر کیوں؟

اس لئے کہ ہم ذکر کرتے ہیں رواج کے طور پر عادت کے طور پر ورزش کے لئے پاس ٹائم کے لئے۔ ورنہ ہم ذکر کرتے اس کی شرائط کے ساتھ کہ مقصد محض اللہ کی رضا اللہ کی محبت ہو۔ روزی حلال کی ہو حرام کی آمیزش نہ ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بتایا کہ 10 درہم کے لباس میں اگر ایک درہم حرام کا ہو تو جب تک وہ لباس جسم پر ہو گا کوئی عبادت قبول نہ ہو گی۔ ظاہر ہے کہ جب قبول نہ ہو گی تو اپنا اثر کب دکھائے گی۔ بے حیائی سے کیسے بچائے گی اور تزکیہ کیسے کرے گی۔

من کہ ہم دانشور ہیں اس لئے قرآن کے بتائے ہوئے پرانے طریقوں پر سے یقین اٹھتا جا رہا ہے اور چونکہ قرآن ہی پرانا ہے اس لئے قرآن کے کتاب ہدایت ہونے پر سے یقین اٹھتا جا رہا ہے۔

(3) شیخ کی توجہ شیخ کی اولاد پر بھی کارگر نہیں ہوتی آخر کیوں؟ اللہ کریم نے پہلے انسان کو نبی بنا کے کرۂ ارض پر بھیجا اس نے ہدایت و رہنمائی اور اصلاح احوال میں کمی نہ چھوڑی مگر اس کے ایک بیٹے نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ نبی کی توجہ اپنی اولاد کے لئے کارگر ثابت نہ ہوئی آخر کیوں؟

(5) اللہ کا رسول اور اولوالعزم رسول جسے آدم ثانی کہتے ہیں اس نے 950 سال تک اصلاح احوال کی کوشش کی اور صرف اتنے آدمیوں نے بات مانی جو ایک کشتی میں سما گئے۔ اپنے رب سے درخواست کی کہ نہ ماننے والوں کا یوں صفایا کر کہ ان کا نام و نشان ہی نہ رہے اللہ نے اپنے لاڈلے نبی کی درخواست یوں قبول کی کہ سیلاب بلایا ان کا نام و نشان نہ چھوڑا مگر اس اولوالعزم رسول کا

بیٹا اس کی نہ مان کر غرق ہوا۔ اللہ کے اس رسول کی توجہ اپنی اولاد کے لئے کارگر ثابت نہ ہوئی آخر کیوں؟

(5) اللہ کا آخری نبی امام الانبیاء جو قیامت تک آنے والے ہر انسان کی اصلاح احوال کے لئے آیا تھا۔ جس چچیے کے پاس رہا اس نے اس کی بات نہ مانی حتیٰ کہ اتنی رعایت کی کہ مرتے وقت میرے کان میں کہہ دو اس نے نہ کہا۔ خاتم انبیاء کی توجہ اپنے چچیے کے لئے کارگر نہ ہوئی آخر کیوں؟

من کہ ہم دانشور ہیں اس کے لئے اصلاح احوال کے لئے انبیاء پر سے ہمارا یقین اٹھتا جا رہا ہے۔

(6) اللہ کریم نے ابلیس کو پیدا کیا اس نے خوب عبادت کی حتیٰ کہ فرشتوں کا استاد بنا رب نے حکم دیا سجدہ کر اس نے انکار کر دیا آخر کیوں؟ کروڑوں برس گزر گئے وہ اپنے انکار پر قائم ہے۔ اللہ کی رحمت اور اس کی قدرت اس کے اصلاح احوال میں کارگر ثابت نہ ہوئی۔

من کہ ہم دانشور ہیں اس لئے اصلاح احوال کے لئے اللہ پر سے ہمارا یقین اٹھتا جا رہا ہے۔

خیر وہ تو ہوا جو ہوا ہمیں اپنے جوان کے بگاڑ کی فکر ہے اور اس کی وجہ صرف مراقبے اور ذکر ہیں اگر ان میں جان کو ہلکان نہ کرتا تو اس کی اصلاح ہو گئی ہوتی۔ مگر اس کا کیا کیا جائے کہ اللہ نے قرآن میں 165 جگہ پر ذکر الٰہی کی کسی نہ کسی رنگ میں ہدایت کی ہے اور اسی کو تزکیہ کا ذریعہ قرار دیا ہے اور چودہ سو سال سے یہی مجرب نسخہ استعمال ہوتا چلا آ رہا ہے۔

رہا مراقبہ کا سوال تو اللہ کے آخری نبی ﷺ نے دین کے اجزائے ترکیبی بتائے اسلام نے ایمان اور احسان اور احسان کی حقیقت بتائی اِنْ تَعْبُدُاللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ تو اللہ کی عبادت ایسے کر جیسا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ کہ اللہ کی عبادت یوں کر جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے۔ کون بتائے کہ اللہ کسی کو نظر آتا ہے؟ واقعی نظر نہیں آتا اسی لئے فرمایا جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے یہ جیسے کیا ہے؟ یہ ہے کہ

اپنے آپ پر یہ کیفیت طاری کر جیسے وہ سامنے اور تو اسے دیکھ رہا ہو۔ یہ عمل اصلاح میں مراقبہ کہلاتا ہے یعنی اپنے آپ پر بہ تکلف کوئی کیفیت طاری کرنے کی مشق کرنا۔

عبادت کی بات نہیں نبی رحمت ﷺ نے تو ساری عمر مراقبے میں گزارنے کا حکم دیا ہے ارشاد ہے کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْعَابِرِ سَبِیْلٍ تو دنیا میں ایسے رہ جیسے بے گھر مسافر یا راستہ پر چلنے والا ہے۔ یعنی دنیا میں یوں زندگی گزار جیسے کہ تو اجنبی ہے یا راہ چلتا مسافر' بھلا یہ کیونکر ہو۔ ایک دانشور بنگلے میں رہتا ہو کارخانے میں موٹر ہو گھر میں ہیٹر AC لگے ہوں بھلا وہ اپنے آپ کو اجنبی یا راہ چلتا مسافر کیسے سمجھے۔ بس یہی مراقبہ ہے کہ اپنے آپ پر بہ تکلف وہ کیفیت طاری کرنے کی مشق عمر بھر جاری رکھو جیسے ایک اجنبی یا راہ چلتے مسافر کی کیفیت ہوتی ہے اب کوئی مراقبے سے الرجک ہو تو ہوتا رہے۔ اس کا یقین جب قدیم چیزوں پر سے اٹھتا چلا جا رہا ہے۔ تو وہ دانشور اس لئے اور کیا کرے۔

علم نفسیات کی قوت ارادی سے بحث نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ارادہ کے استعمال میں بے ایمانی اور بددیانتی سے کام نہ لیا جائے۔ غور فرمایئے اس جوان نے نماز پڑھنا کیوں شروع کیا؟ اگر اس نے یہ سمجھ کے اقدام کیا کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کر کے یہ پابندی قبول کر چکا ہوں کہ اللہ جو کہے گا وہی کروں گا جو اس یقین یا احساس نے ارادہ کو حرکت دی اور ارادہ نے عمل کی صورت اختیار کی یعنی اس اللہ کی اطاعت کے لئے اپنے ارادہ کو استعمال کیا۔ تو جس کام سے اللہ نے منع کیا ہے اس سے رکنے کے لئے ارادہ کو کیوں نہ استعمال کیا۔ اس کے پاس ہتھیار ہے اور ایک میدان میں اسے استعمال کرتا ہے اور دوسرے میدان میں آ کر کہتا ہے کہ میرے ہتھیار کو کوئی اور استعمال کرے میں نہیں کرتا۔ تو اس کی اس بددیانتی کا نتیجہ کیا ہونا چاہئے؟ یعنی جو ہتھیار اس کے پاس ہے اس کو استعمال وہ نہ کرے اور قصور وار ہو شیخ' نماز' ذکر' اللہ و رسول کے بتائے ہوئے پرانے طریقے یہ تو

وہی بات ہوئی ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ۔

آخر میں ایک بات کہہ دوں۔ آپنے جو لکھا ہے کہ اصلاح احوال عادات کے مروجہ اور پرانے طریقوں سے یقین اٹھتا جا رہا ہے یہ آپ نے پارلیمانی زبان استعمال کی ہے حقیقت یہ ہے کہ آپ کا یقین اٹھ چکا ہے۔ اب اس کا علاج یہ ہے کہ آپ اللہ و رسول، قرآن اور دین سے بے نیاز ہو کر اصلاح احوال کا کوئی ماڈرن جدید ترین Oven Fresh طریقہ ایجاد کر لیں یا کہیں سے درآمد کر لیں ہمیں کوئی اعتراض نہیں بلکہ خوشی ہو گی کہ آپ کی اصلاح تو ہو جائے گی۔

☆ ☆ ☆